شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

از- مولانا ابو الکلام آزادؒ

ناشر

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس
۱۴۹۱، کوتانہ اسٹریٹ، سوئی والان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

تاریخ کربلا

اہلبیت نے شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور حسین بن علیؓ سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔ امیر المومنین علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا تھا۔ اسلئے وہاں اہلبیت کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ آپ تشریف لائیے ہم آپکا ساتھ دینگے۔ آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کیلئے بھیجا اور خود بھی سفر تیاری کرنے لگے

دوستوں کا مشورہ

آپ کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔ وہ اہل کوفہ کی بیوفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے بنی امیہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بیخبر نہ تھے۔ انہوں نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔ "لوگ یہ سن کر بہت پریشان ہیں کہ آپ عراق جارہے ہیں۔ مجھے اصل حقیقت سے آگاہ کیجئے۔"

حضرت حسینؓ نے جواب دیا "میں نے عزم کر لیا ہے، آج ہی یا کل میں روانہ ہوتا ہوں۔"

ابن عباسؓ بے اختیار پکار اٹھے "خدا آپ کی حفاظت کرے، کیا آپ ایسے لوگوں میں جارہے ہیں جنہوں نے اپنے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے؟ دشمن کو نکال دیا ہے اور ملک پہ قبضہ حاصل کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف لے جائیے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے، حاکم بدستور ان کی گردن دبائے بیٹھا ہے۔ اسکے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں تو ان کا بلانا درحقیقت جنگ کیطرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں وہ آپ کو دھوکا نہ دیں۔

۷۸۶

بار اوّل ——— جون ۱۹۸۷ء

تعداد ——— ایک ہزار

طبع ——— کلاسیکل پرنٹرس دہلی ۶

باہتمام ——— اعتقاد حسین صدیقی

قیمت ——— ۵۰/۷ سات روپے پچاس پیسے

L12624

عبداللہ بن جعفر کا خط

• اسیطرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپکو سمجھایا۔ آپکے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفرؓ نے مدینہ سے خط بھیجا:-

"میں آپکو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجایئے۔ کیونکہ اس راہ میں آپکے لئے ہلاکت اور آپکے اہلبیت کیلئے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہوجائیں تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور اربابِ ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔"

والی کا خط

• یہی نہیں بلکہ عبداللہ بن جعفرؓ نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی سعید بن عمرو بن العاصؓ سے جاکر کہا: "حسین بن علیؓ کو خط لکھکر ہر طرح مطمئن کردو۔" عمرو نے کہا: "آپ خود خط لایئے میں مُہر کردونگا۔" چنانچہ عبداللہؓ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا:-

"میں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ آپکو اس راستہ سے دور کردے جسمیں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی رہنمائی کرے جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جارہے ہیں۔ میں آپکے لئے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپکی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر بن سعید کو آپکے پاس بھیج رہا ہوں۔ انکے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپکے لئے امن، سلامتی، نیکی اور حسنِ جوار ہے خُدا اس پر شاہد ہے وہی اس کا کفیل، نگہبان اور وکیل ہے۔" والسلام!

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے۔ (ابنِ جریر وغیرہ)

فرزدق سے ملاقات

• مکہ سے آپ عراق روانہ ہوگئے۔ "صفاح" نام مقام پر مشہور محب اہلبیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپنے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟" فرزدق نے جواب دیا۔ "دل انکے دل آپ کیساتھ ہیں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔" آپؓ نے فرمایا "سچ کہتا ہے اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا

اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کیلئے آمادہ نہ ہو جائیں۔"

مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابنِ عباسؓ کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابنِ عباسؓ پھر دوڑے آئے "اے ابن عم! انہوں نے بہ منت کہا میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں آپکی ہلاکت و بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے دغا باز ہیں۔ انکے قریب بھی نہ جائیے۔ یہیں قیام کیجئے کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے اگر عراقی آپ کو بلاتے ہیں تو ان سے کہیئے، پہلے مخالفین کو اپنے علاقہ سے نکال دو پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپکے والد کی خیر خواہ ہے۔ وہاں ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہونگے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ اپنی دعوت پھیلایئے گا۔ مجھے یقین ہے اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے۔"

لیکن حضرت حسینؓ نے جواب دیا "اے ابن عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں اب عزم کر چکا ہوں۔"

ابنِ عباسؓ نے کہا: "آپ نہیں مانتے تو عورتیں اور بچے ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ انکی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر دیئے جائیں جسطرح عثمان بن عفانؓ اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے جوش میں آکر کہا "اگر مجھے یقین ہو کہ آپ کے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رک جائیں گے تو واللہ! میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں"۔۔۔ مگر آپ اپنے ارادے پر قائم تھے۔

نہیں۔ جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے، چھوڑ دے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے۔"
بھیڑ نے یہ سُنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکّہ سے ساتھ چلے تھے۔

حربن یزید کی آمد

• قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے۔ عبید اللہ بن زیاد والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حربن یزید ایک ہزار فوج کیساتھ نمودار ہوا۔ اور ساتھ ہو لیا۔ اُسے حکم تھا کہ حضرت حسینؓ کیساتھ برابر لگا رہے اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے جب تک انہیں عبید اللہ بن زیاد کے روبرو نہ پہنچا دے۔ اسی اثناء میں نمازِ ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ تہ بند باندھے چادر اوڑھے، نعل پہنے تشریف لائے اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حر کے سپاہیوں کے سامنے خُطبہ دیا۔

خُطبہ

• "اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے، قاصد آئے مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آئیے تاکہ خُدا آپ کے ہاتھ پر ہمیں جمع کر دے اگر اب بھی تمہاری حالت یہی ہے تو میں آ گیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کیلئے تیار ہو جن پر میں مطمئن ہو جاؤں۔ تو میں تمہارے شہر چلنے کے لئے آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں۔"

دشمنوں نے آپکے پیچھے نماز پڑھی

• کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے "اقامت پکارو"۔ حضرت حسینؓ نے حربن یزید سے کہا: "کیا تم علیحدہ نماز پڑھو گے؟"
اُس نے کہا: "نہیں، آپ امامت کریں ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ وہیں عصر کی

ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اسکی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اسکی ستائش کرینگے۔ اگر امید کیخلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے۔" یہ کہا اور سواری آگے بڑھا لی۔

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

• زرود نام مقام میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ کے نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کر دیا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپ نے سنا تو بار بار "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا۔

اب بھی وقت ہے ہم آپکے اور اہلبیت کے معاملہ میں آپکو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ للہ یہیں سے لوٹ چلیئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں ہے۔ سب آپکے خلاف کھڑے ہو جائینگے"

آپ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے۔ مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے۔

"واللہ! ہم ہرگز نہ ٹلیں گے" انہوں نے کہا: "ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔"

اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لیکر کہا: "اِن کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔"

راستہ میں بھیڑ چھنٹ گئی

• بدوؤں کی ایک بھیڑ آپکے ساتھ ہو گئی۔ یہ سمجھتے تھے کہ کوفہ میں خوب آرام کریں گے۔ آپؓ انکی حقیقت سے واقف تھے۔ سب کو جمع کر کے خطبہ دیا:

"اے لوگو! ہمیں نہایت دہشتناک خبریں پہنچی ہیں۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، اور عبداللہ بن یقطر قتل کر ڈالے گئے۔ ہمارے طرفداروں نے بے وفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار

جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حر نے کہا: "مجھے آپ کیساتھ لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اگر آپ پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبید اللہ کو لکھیئے۔ شاید میرے لئے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کر دے اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔"

یہ بات آپؓ نے منظور کر لی اور روانہ ہوئے (ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور خطبہ

• راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپؓ نے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ میں یہ خطبہ دیا۔

"اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے گا جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے۔ عہد الٰہی شکست کرتا ہے اور دیکھنے والا دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اسکی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے۔ سو خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں۔ رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے۔ حدود الٰہی معطل ہیں۔ مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے۔ خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں انکی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ مستحق ہوں۔ تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لے کر آئے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ نہ مجھ سے بیوفائی کرو گے نہ مجھے دشمنوں کے حوالہ کرو گے، اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمہارے لئے راہ ہدایت ہے۔ کیونکہ میں حسین ابن علیؓ ابن فاطمہؓ، رسول کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمہاری جان کیساتھ، میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ لیکن اگر تم ایسا نہ کرو، بلکہ اپنا عہد توڑ دو، اور اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو، تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ

نماز بھی پڑھی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ سلام کے بعد آپ نے پھر خطبہ دیا۔

خطبہ

• "اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر ہو اور حقدار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہلبیت ان مدعیوں سے حکومت کے زیادہ حقدار ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو اور اب تمہاری رائے اس کیخلاف ہو گئی ہو، جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں نے پہنچائی تھی تو میں واپس جانے کیلئے بخوشی تیار ہوں۔"

اہل کوفہ کے خطوط

• اس پر حر نے کہا: "آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں؟ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔"

آپ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس پر حر نے کہا: "لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔" حضرت امام نے فرمایا: "لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔" آپؓ نے پھر روانگی کا حکم دیا۔ لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپؓ نے خفا ہو کر حر سے کہا: "تیری ماں تجھے روئے تو کیا چاہتا ہے؟"

حر نے جواب دیا: "واللہ! اگر آپ کے سوا کوئی عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اسے بتا دیتا۔ لیکن آپ کی ماں کا نام میری زبان پر برائی کے ساتھ نہیں آسکتا۔"

آپؓ نے فرمایا: "پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا: "میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لیجانا چاہتا ہوں۔"

آپؓ نے جواب دیا: "تو واللہ! میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔"

ایک مرتبہ آپؓ نے غضب ناک ہو کر فرمایا: "نہ تو مجھے موت سے ڈراتا ہے کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھے کیا جواب دوں۔ لیکن میں وہی کہونگا جو رسول اللہ کے ایک صحابیؓ نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا تھا ——— "میں روانہ ہوتا ہوں۔ مرد کیلئے موت ذلت نہیں ہے جب کہ اس کی نیت نیک ہو۔ اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو ——— اور جب کہ اپنی جان دے کر صالحین کا مددگار ہو اور دغاباز ظالم ہلاک ہونے والے سے جُدا ہو رہا ہو۔"

چار کوفیوں کی آمد

● عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ سے چار سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اِن کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

یاناقتی لاتذعری من زجری ‏ ‏ ‏ ‏ وشمری قبل طلوع الفجر

اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں، طلوعِ فجر سے پہلے ہمت سے چل۔

بخیر رکبان وخیر سفر ‏ ‏ ‏ ‏ حتی تجلی بکریم النجر

اچھے مسافروں کو لے چل، سب سے بہتر سفر پر چل، یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا۔

الماجد الحر رحیب الصدر ‏ ‏ ‏ ‏ اتی بہ اللہ بخیر امر

وہ عزت والا ہے، آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ اسے سب سے اچھے کام کیلئے لایا ہے۔

ثمت ابقاہ بقاء الدھر ‏ ‏ ‏ ‏ خدا اُسے سلامت رکھے۔

حضرت حسینؓ نے یہ شعر سُنے تو فرمایا: "واللہ! مجھے یہی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے۔ چاہے قتل ہوں یا فتحیاب ہوں۔"

بھائی اور عم زاد مسلم کیساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے۔ لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کروگے۔ تم نے اپنا ہی حصّہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ دی جو بدعہدی کرے گا خود اپنے خلاف بدعہدی کریگا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

ایک اور تقریر

• ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی:۔

"معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا تلچھٹ باقی ہے۔ حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے۔ افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر اعلانیہ عمل کیا جارہا ہے کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آگیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی خواہش کرے میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ایک جرم ہے۔"

زہیر کا جواب

• یہ خطبہ سن کر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا، "تم بولوگے یا میں بولوں؟"

سب نے کہا "تم بولو!"

زہیر نے تقریر کی: "اے فرزندِ رسول اللہ! خدا آپکے ساتھ ہو۔ ہم نے آپکی تقریر سنی۔ واللہ! اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو اور ہم سدا اس میں رہنے والوں میں ہوں جب بھی آپ کی نصرت و حمایت کے لئے اسکی جدائی گوارہ کرلیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپ کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے۔"

حُر کی دھمکی کا جواب

• حُر بن یزید آپ رضؓ کے ساتھ برابر چلا آرہا تھا۔ بار بار کہتا تھا "اے حسین رضؓ! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد رکھیئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے، تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے۔"

بچھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپ کے ساتھ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ ایک حسینؓ سے لڑیں! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو آپ ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھیئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں، جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلئے۔ میں اپنے پہاڑ "راجا" میں آپ کو اتار دوں گا۔ واللہ! وہاں دس دن بھی نہ گذریں گے کہ قبیلہ "طے" کے بیس ہزار بہادر تلواریں لئے آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے واللہ! جب تک ان کے دم میں دم رہیگا آپ کیطرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔"

آپ رضی نے جواب دیا: "خدا تمہیں جزائے خیر دے لیکن ہمارے اور اُن کے درمیان ایک عہد ہو چکا ہے۔ ہم اُس کی موجودگی میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچ کر ختم ہو گا۔"

خواب

• اب آپ رضی کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں۔ "قصر بنی مقاتل" نامی مقام سے کوچ کے وقت اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر باآواز بلند کہنے لگے: "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الحمد للہ رب العلمین۔"

تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ رضی کے صاحبزادے علی نے عرض کیا: "یہ انا للہ اور الحمد للہ کیوں فرمایا؟"

"آپ رضی نے جواب دیا: "جانِ پدر! ابھی اونگھ گیا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا ہوا چلا جا رہا ہے ــــ لوگ چلتے ہیں، موت انکے ساتھ چلتی ہے ــــ میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری موت کی خبر ہے جو ہمیں سُنائی جا رہی ہے۔"

حرُبن یزید نے ان لوگوں کو دیکھا تو حضرت سے کہا: "یہ لوگ کوفہ کے ہیں۔ آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔ میں انہیں روکوں گا یا واپس کر دوں گا۔"

آپؓ نے فرمایا: "تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابنِ زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے تعرض نہیں کرو گے اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے۔ لیکن میرے ہی ساتھی ہیں اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کرو گے تو میں تم سے لڑوں گا۔"

یہ سن کر حُر خاموش ہو گیا۔

کُوفہ والوں کی حالت

• آنے والوں سے آپ نے پوچھا "لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: "شہر کے سرداروں کو رشوتیں دے کر ملا لیا گیا ہے۔ عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر اُن کی تلواریں کل آپ کے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی۔"

آپؓ کے قاصد کا قتل

• اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کے کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان کو قتل کر ڈالا تھا مگر آپؓ کو اطلاع نہ تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپؓ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور فرمایا: "مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر حق پر ثابت قدم ہیں۔ اسمیں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے) خدایا ہمارے لئے اور اُن کے لئے جنت کی راہ کھول دے۔ اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار میں ہمیں اور انہیں جمع کر۔"

طرماح بن عدی کا مشورہ۔ طرماح بن عدی نے کہا: "واللہ! میں آنکھیں پھاڑ

آپؓ نے پوچھا: "اس کا نام کیا ہے؟"

زہیر نے کہا: "عقر ـــــ!" (عقر کے معنی کانٹا، بے ثمر و بے نتیجہ ہونا) یہ سُن کر آپؓ منقبض ہو گئے اور کہا "عقر سے خُدا کی پناہ!"

کربلا میں ورود

● آخر آپؓ ایک اُجاڑ سرزمین میں جا کر اتر پڑے، پوچھا: "اس سرزمین کا نام کیا ہے؟"

معلوم ہوا ـــــ "کربلا"، آپؓ نے فرمایا: "یہ کرب اور بلا ہے۔"

یہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا اور اُس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔ یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ھ کا ہے۔

عمر بن سعد کی آمد

● دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کے چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اُس نے آتے ہی حضرت حسینؓ کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا: "آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟" آپؓ نے وہی جواب دیا جو حر بن یزید کو دے چکے تھے "تمہارے اس شہر کے لوگوں نے ہی مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وُہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کیلئے تیار ہوں۔"

ابنِ زیاد کی سختی

● عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ فوراً عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابنِ زیاد نے کہا: "اب کے ہمارے پھندے میں آ پھنسا ہے۔ چاہتا ہے نجات پائے مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں۔"

علی نے کہا، "خدا آپ کو روزِ بد نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

فرمایا "بیشک ہم حق پر ہیں۔"

اس پر وہ کہہ اُٹھے: "اگر ہم حق پر ہیں تو موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ وہی آپؓ کے صاحبزادے ہیں جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں۔

(ابنِ جریر، شرح نہج البلاغۃ، امالی سید مرتضٰی وغیر ذالک)

ابنِ زیاد کا خط

صبح سویرے آپؓ پھر سوار ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا۔ مگر حر ابنِ یزید انہیں پھیلنے سے روکتا تھا۔ باہم دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ ہتھیار بند تھا۔ حضرت حسینؓ کی طرف سے اس نے منہ پھیر لیا۔ مگر حر کو سلام کیا اور ابنِ زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"حسینؓ کو کہیں نہ ٹکنے دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام پر پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو۔"

حُر نے خط کے مضمون سے حضرتِ امام کو آگاہ کیا: "اب میں مجبور ہوں۔ آپ کو بے آب و گیاہ میدان ہی میں اترنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔"

زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا: "ان لوگوں سے لڑنا اس فوجِ گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے، جو بعد میں آئے گی۔"

مگر آپؓ نے لڑنے سے انکار کر دیا: "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا۔"

زہیر نے کہا: "تو پھر اس سامنے کے گاؤں میں چل کر اتریئے، جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جائیے۔"

۱۔۔۔ مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔

۲۔۔۔ مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔

۳۔۔۔ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے، وہی مجھ پر بھی گزرے گی۔

عمر کا خط

• بار بار گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو پھر خط لکھا:۔ "خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ دور کر دی۔ اتفاق پیدا کر دیا۔ امت کا معاملہ درست کر دیا۔ حسینؓ مجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک کیلئے تیار ہیں۔ اسمیں تمہارے لئے بھی بھلائی ہے۔"

شمر کی مخالفت

• ابن زیاد نے خط پڑھا تو متاثر ہوا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا۔"

مگر شمر بن ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا کہ حسینؓ قبضہ میں آ چکے ہیں، اگر بغیر آپکی اطاعت کے نکل گئے تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کر لیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہے کہ اب انہیں قابو سے نہ نکلنے دیا جائے۔ جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کر لیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ عمر اور حسینؓ رات بھر باہم سرگوشیاں کیا کرتے ہیں۔

ابن زیاد کا جواب

• ابن زیاد نے یہ رائے پسند کر لی اور شمر کو خط دے کر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اگر حسینؓ معہ اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انہیں صحیح سالم میرے پاس بھیج دیا جائے لیکن اگر یہ بات منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہہ دیا کہ اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا، جب تو تم اس کی اطاعت کرنا ورنہ اُسے ہٹا کر خود فوج

پھر جواب لکھوایا:

"حسینؓ سے کہو، پہلے اپنے تمام ساتھیوں کیساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں، پھر ہم دیکھیں گے، ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ حسینؓ اور اُنکے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وُہ ایک قطرہ بھی پانی نہ پینے پائیں۔ جس طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پانی سے محروم رہے تھے۔"

پانی پر تصادم

● عمر بن سعد نے مجبوراً پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیج دیئے اور آپؓ اور آپؓ کے ساتھیوں پر پانی بند ہوگیا۔ اس پر آپؓ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے عمر بن الحجاج نے روکا۔ اہم مقابلہ ہوا۔ لیکن آپ بیس ۲ مشکیں بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

● شام کو حضرت حسینؓ نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا کہ آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ دونوں بیس بیس سوار لے کر نکلے اور ایک مقام پر ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے، گفتگو بالکل خفیہ تھی لیکن لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ حضرت امام نے عمر سے کہا تھا: "ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہو جائیں۔ عمر نے کہا، اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائے گا۔ آپؓ نے فرمایا: میں بنوا دوں گا۔ عمر نے کہا میری تمام جائداد ضبط کر لی جائے گی۔ آپؓ نے فرمایا: میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دوں گا۔ مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔

تین شرطیں

● اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں۔ آپؓ نے تین صورتیں پیش کی تھیں۔

ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا۔ اب ابن زیاد کا جواب آگیا ہے اور اس کا مضمون پڑھ سنادیا۔ عباس واپس لوٹے کہ حضرت حسینؓ کو اسکی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں فریقین کے بعض پُرجوش آدمیوں میں ردّوکد ہوئی۔ اُسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

دونوں فوجوں میں زبانی ردّوکد

• حضرت امام کے طرف داروں سے حبیب ابن مظاہر نے کہا: ”خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہیں جو اُسکے حضور میں اس حالت میں پہنچیں گے کہ اسکے نبی کی اولاد اور اس شہر (کوفہ) کے تہجد گزار عابدوں کے خون سے ان کا ہاتھ رنگین ہوگا۔“

ابن سعد کی فوج میں سے عروہ بن قیس نے جواب دیا: ”شاباش! اپنی خوب بڑائی کرو، پیٹ بھر کر اپنی پاکی کا اعلان کرو۔“

زہیر بن القین نے کہا: ”اے عروہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کردیا ہے اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈر اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن۔“

عروہ نے جواب دیا: ”اے زہیر! تم اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمانؓ کے حامی) نہ تھے؟“

زہیر نے کہا: ”ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے حسینؓ کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا، نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا، لیکن سفر نے ہم دونوں کو یہاں جمع کردیا ہے۔ میں نے انہیں دیکھا تو رسول اللہ یاد آگئے اور رسول اللہ کی ان سے محبت یاد آگئی۔ میں نے دیکھا یہ کتنے قوی دشمن کے سامنے جارہے ہیں۔ خدا نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا میں انکی مدد کروں گا اور اللہ اور اسکے رسولؐ کے اس حق کی حفاظت کروں گا جس کو تم نے ضائع کردیا ہے۔“

کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسینؓ کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔

ابنِ زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تنبیہ بھی کی گئی تھی۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ حسینؓ کو بچاؤ اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپ کو حوالہ کر دیں تو صحیح سالم میرے پاس بھیج دو لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تامّل حملہ کر دو، خون بہاؤ، لاشیں بگاڑو، کیونکہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہو گے۔ نافرمانی کی تو معزول کئے جاؤ گے (ابن جریر وغیرہ)

شمر ذی الجوشن اور حضرت حسینؓ

• شمر ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اسکی پھوپھی ام البنین بنت حرام امیر المومنین علیؓ کی زوجیت میں تھیں۔ اور ان ہی کے بطن سے ان کے چار صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔ جو اس معرکہ میں امام حسینؓ کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا اور ان کے واسطہ سے حضرت امام کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اُس نے ابنِ زیاد سے درخواست کی تھی کہ اس کے ان عزیزوں کو امان دے دی جائے۔ اور اُس نے منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلا کر کہا، "تم میری داد ہیالی ہو۔ میں نے تمہارے لئے امن و سلامتی کا سامان کر دیا ہے۔"

لیکن انہوں نے جواب دیا، "افسوس تم پر، تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزندِ رسول کے لئے امان نہیں ہے۔"

شمر نے ابنِ سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہنچا دیا اور وہ طوعاً و کرہاً بخوفِ عزل آمادہ تعمیل ہو گیا۔

فوج کی ابتدائی حرکت

• نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی۔ جب قریب پہنچا تو حضرت عباسؓ بیس سواروں کے ساتھ نمودار

ہے۔ تم چلے جاؤ، میں نے تمہیں اجازت دی۔"

وُہ کہنے لگے: "لوگ کیا کہیں گے۔ یہی کہیں گے کہ ہم اپنے شیخ، سردار اور عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا۔ نہ نیزہ چلایا۔ نہ تلوار گھمائی، نہیں۔ واللہ! ہرگز یہ نہ ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے آپ کے بعد خُدا ہمیں زندہ نہ رکھے۔"

آپؓ کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا، "کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپ کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ! نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہے گا تلوار چلاتا رہوں گا۔ نہتا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے۔"

سعید بن عبداللہ الحنفی نے کہا: "واللہ! ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ! اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں اڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں، ستر مرتبہ میرے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں۔"

زہیر ابن القین نے کہا: "بخُدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوشا نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپ کے اہلِ بیت کے ان نونہالوں کی جانیں بچ جائیں۔" (ابنِ جریر، کامل، شرح نہج البلاغۃ وغیرہا)

حضرتِ زینبؓ کی بے چینی اور آپؓ کا توصیۂ صبر

• حضرت زین العابدینؒ سے روایت ہے کہ

امام حسینؓ کو جب ابنِ زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو انہوں نے کہا: "اگر ممکن ہو تو آج انہیں ٹال دو تاکہ آج رات کو اپنے رب کی نماز پڑھ لیں۔ اس سے دُعا کریں۔ مغفرت مانگیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں اسکی عبادت کا دلدادہ، اسکی کتاب پڑھنے والا، اس سے بہت دعا استغفار کرنے والا ہوں"۔ چنانچہ یہی جواب دیا اور فوج واپس ہو گئی (ابن جریر و یعقوبی)

آپؓ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپؓ نے اپنے ساتھی جمع کئے۔ اور یہ خُطبہ دیا:۔

"خُدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں۔ رنج و راحت ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر۔ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف فرمایا۔ قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ امّا بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا کہ آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ موجود ہیں یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد و غمگسار۔ اے لوگو! تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی کے ساتھ نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی میں اِدھر اُدھر چلے جاؤ میں خوشی سے تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں۔ میری جان پا کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔

یہ سُن کر آپؓ کے اہلبیت بہت رنجیدہ اور بے چین ہوئے۔ حضرت عباس نے کہا: یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ خُدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے"۔

حضرتؓ نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا: "اے اولادِ عقیل! مسلمؒ کا قتل کافی

11202

اس پر ان کی بے قراریاں اور بڑھ گئیں اور شدتِ غم سے بے حال ہو گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپؓ نے ایک طولانی تقریر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپؓ نے کہا: "بہن! خدا سے ڈر، خدا کی تعریف سے تسلی حاصل کرو۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھو ہمارے لئے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھاتا ہے۔ یہ ہمیں صبر و ثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں (الیعقوبی، ابن جریر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزری

● پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور دعا و تضرع میں گزاری۔ راوی کہتا ہے، دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسینؓ بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے:۔

الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین o ما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب ط

ترجمہ:۔ دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل ان کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا مومنوں کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا۔

جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں۔ میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی زینبؓ میری تیمار داری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اس وقت خیمہ میں ابوذر غفاریؓ کے غلام "حوی" تلوار صاف کر رہے تھے۔ اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

یا دھر ان لک من خلیل　　کم لک بالاشراق والاصیل

من صاحب او طالب قتیل　　والدھر لا تضیع بالبدیل

وانما الامر الی الجلیل　　وکل حی سالک السبیل

ترجمہ:۔ اے زمانہ تیرا بُرا ہو تو کیسا بے وفا دوست ہے۔ صبح اور شام تیرے ہاتھوں کتنے مارے جاتے ہیں۔ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا، کسی سے عوض قبول نہیں کرتا۔ اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔"

تین چار مرتبہ آپؓ نے یہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا کہ مصیبت ٹلنے والی نہیں۔ میری پھوپھی نے یہ سنے تو وہ بے قابو ہو گئیں۔ بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون و فریاد کرنے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ اے بہن! یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آسکیں۔

انہوں نے روتے ہوئے کہا: "کیونکر اس حالت پر صبر کیا جا سکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔"

آپؓ نے کہا: "مشیئت کا ایسا ہی فیصلہ ہے۔"

کی، دشمن نے خوشیاں منائیں، مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی۔ تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے۔

دشمن کے سامنے خطبہ

• جب دشمن قریب آگیا تو آپؓ نے اونٹنی طلب کی سوار ہوئے۔ قرآن سامنے رکھا اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:۔

"لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمہارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا۔ اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے۔ لیکن اگر سُننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔ تم اور تمہارے ساتھی ایکا کر لو مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ مجھے ذرا بھی مُہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں پروردگارِ عالم پر ہے اور وُہ نیکو کاروں کا حامی ہے۔"

اہلبیت نے یہ کلام سُنا، تو شدّتِ تاثر سے بے اختیار ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپؓ نے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تا کہ انہیں خاموش کرائیں اور کہا: "ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے۔"

پھر بے اختیار پکار اُٹھے "خُدا عباس کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ــ راوی کہتا ہے۔ یہ جملہ اس لئے آپؓ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ نے عورتوں کو ساتھ لیجانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپؓ نے اس پر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع فزع دیکھا تو عبداللہ بن عباسؓ کی بات یاد آگئی۔ پھر آپؓ نے از سرِ نو تقریر شروع کی:۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ

دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سُنی تو چلّا کر کہنے لگا: "قسم ربّ کعبہ کی ہم ہی طیب ہیں اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔"

عشرہ کی صبح

• جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نمازِ فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسین رضؓ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں درست کیں۔ ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل، کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر ابن القین کو مقرر کیا۔ میسرہ حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا۔ علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اسمیں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا اور آگ جلادی گئی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

• فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپؓ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا: "اے حسینؓ! قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کر لی؟"

حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔"

مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا: "مجھے اجازت دیجئے، اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیونکہ بالکل زد پر ہے۔"

حضرت نے منع کیا، "نہیں، مَیں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا۔"

دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھا دیئے

• دشمن کا رسالہ آگے بڑھتا دیکھ کر آپؓ نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے:۔

"الٰہی! ہر مصیبت میں تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں، دِل کمزور ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا۔ دوست نے بے وفائی

کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک گئے، زمین سرسبز ہو گئی، نہریں ابل پڑیں۔ اگر آپ آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے۔ جلد آیئے؟"

اس پر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں اور انہوں نے کہا: "ہرگز نہیں! ہم نے نہیں لکھا تھا۔"

آپؓ چلا اٹھے "سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے۔ واللہ تم نے ہی لکھا تھا۔"

اس کے بعد آپؓ نے پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو۔ اس لئے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں۔"

ذلت منظور نہیں

• یہ سن کر قیس بن الاشعث نے کہا: "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالے کر دیں؟ وہ وہی برتاؤ کریں گے جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔"

آپؓ نے جواب دیا: "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص! تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا مطالبہ کریں۔ نہیں، واللہ! میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی ان کے حوالے نہ کروں گا۔" (ابن جریر)

یہ کہہ کر آپؓ نے اونٹنی بٹھا دی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپؓ کی طرف حرکت شروع کر دی۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

• زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے: "اے اہل کوفہ عذاب الٰہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو اس وقت تک ہم سب بھائی ہیں۔ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں۔ جب تک تلواریں نیام سے

ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو۔ کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا اور اسکے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہؓ میرے باپؓ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپؐ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں " سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ " (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے۔ کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے سے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے پوچھو۔ ابو سعید خدریؓ سے پوچھو۔ سہل بن سعد ساعدیؓ سے پوچھو۔ زید ارقمؓ سے پوچھو۔ انس بن مالکؓ سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبیؐ کا بلاواسطہ نواسہ ہوں۔ مجھے کس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟

کوفہ والوں کا جواب

• آپؓ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آپؓ نے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے کے کر پکارنا شروع کیا۔

"اے شبث بن ربعی!۔ اے حجاز بن الجبر!۔ اے قیس بن الاشعث!۔ اے یزید الحارث!

کو حرکت دی تو حر بن یزید نے کہا: "خدا آپ کو سنوارے، کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کریں گے؟"

ابنِ سعد نے جواب دیا: "ہاں واللہ لڑائی! جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ شانوں سے اڑ جائیں گے۔"

حر نے کہا: "کیا ان شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابلِ قبول نہیں جو اس نے پیش کی ہیں؟"

ابنِ سعد نے کہا: "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا۔ مگر کیا کروں تمہارا حاکم منظور نہیں کرتا۔"

حر بن یزید یہ سن کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اُس کے قبیلہ کا ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرہ بن قیس تھا۔ حر نے اُس سے کہا: "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟"

بعد میں قرہ کہا کرتا تھا کہ حر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اس کی شکایت حاکم سے نہ کر دوں۔ "میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہو گیا میرے الگ ہوتے ہی حر نے امام حسینؓ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس قبیلے کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا: "کیا تم حسینؓ پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟"

حر خاموش ہو گیا۔ مہاجر کو شک ہوا کہنے لگا: "تمہاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ تو تمہارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

نہیں نکلیں تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو لیکن تلوار کے درمیان لاتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے گی۔ اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو! خدا نے ہمارا اور تمہارا اپنے نبیؐ کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمہیں اہلبیت کی نصرت کی طرف بلاتے ہیں اور سرکش عبیداللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں یقین کرو۔ ان حاکموں سے کبھی تمہیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمہاری آنکھیں پھوڑیں گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ تمہارے چہرے بگاڑیں گے۔ تمہیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے اور نیکوکاروں کو چن چن کر قتل کریں گے۔ بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابن حجر بن عدی، ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے کہ تمہیں یاد نہ ہوں۔"

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے۔ اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے۔

"بخدا ہم اس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا انہیں امیر کے روبرو حاضر نہ کردیں۔" یہ ان کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا: "خیر! اگر فاطمہؓ کا بیٹا سمیہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت و نصرت کا مستحق نہیں تو کم از کم اولادِ رسولؐ کا اتنا پاس تو کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اسے اور اس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ تم حسینؓ کا خون بہاؤ۔"

حُر بن یزید کی مُوافقت ۔ عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج

لہٰذا میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کرسکتا۔"

اس کے بعد حرؒ نے نہایت جوش وخروش سے تقریر کی اور اہلِ کوفہ کو ان کی بد عہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اسکی بجائے انھوں نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

• اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکرِ حسین رضؓ کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا: "گواہ رہو! سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے"۔ پھر تیر باری شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن امیہ اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام لیسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارزت طلب کی۔ قدیم جنگ میں مبارزت کا طریق یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر باہمدگر پیکار رہتے۔ لشکرِ حسینؓ سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن حصیر نکلنے لگے۔ مگر امام حسینؓ نے انہیں منع کر دیا۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہوکر عرض کیا۔ "مجھے اجازت دیجئے۔"

یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چل کر آیا تھا۔ سیاہ رنگ تنومند، کشادہ سینہ تھا۔ آپؓ نے اس کی صورت دیکھ کر کہا: "بیشک یہ مردِ میدان ہے۔" اور اجازت دی۔

عبداللہ نے چند پھیروں میں دونوں حریف زیر کر کے قتل کر ڈالے۔ اس کی بیوی اُمِّ وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھیں اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھیں۔ پھر یکایک انھیں اسقدر جوش آیا کہ میدانِ جنگ کی طرف بڑھنے لگیں۔ حضرت حسینؓ یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، فرمایا "اہلبیت کی طرف سے خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے۔"

حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا: "بخدا میں جنّت کا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ! میں نے جنّت منتخب کر لی۔ اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے۔"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکرِ حسینؓ میں پہنچ گیا۔

حضرت حسینؓ کی خدمت میں پہنچ کر کہا: "ابنِ رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں، جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا۔ راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم! میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے۔ اور آپ کے معاملے میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کریں گے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہو کر توبہ کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہو جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہو گا؟"

حضرتؓ نے شفقت سے فرمایا: "ہاں خدا تیری توبہ قبول کرے۔ تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟"

اُس نے کہا: "حر بن یزید۔"

فرمایا: "حر (یعنی آزاد) ہی ہے۔ جیسا تیرا نام تیری ماں نے رکھ دیا ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے۔"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

● پھر حُر دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا اے لوگو! حسینؓ کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے۔ تاکہ خدا انہیں اس امتحان سے بچا لے؟"

لوگوں نے جواب دیا: "ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں۔ یہ جواب دیں گے۔ عمر نے

گھوڑے بیکار ہو گئے

• میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف بتیس سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں الٹ جاتی تھیں آخر طاقت ور دشمن نے محسوس کر لیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً کمک طلب کی۔ بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بے کار ہو گئے۔ اور سواروں کو پیدل ہو جانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

• ایوب خاں منشرح روایت کرتا ہے کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کر دیا تھا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی، بالکل شیر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی۔ اور یہ شعر زبان پر تھا۔

ان تعقروا بی فانا ابن الحر   اشجع من ذی لبد هزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بے کار کر دیا تو کیا ہوا۔ میں شریف کا بیٹا ہوں۔ خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں۔"

خیمے جلا دیئے

• لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب بعد دوپہر ہو گئی۔ مگر کوئی فوج غلبہ نہ حاصل کر سکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے خیمے ایک جگہ کر دیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رُخ سے حملہ کر سکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے ۴، ۵ آدمی یہاں مقابلے کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے کے لئے نکلے۔ جب یہ صورت بھی ناکام رہی

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کر دیئے

• اسکے بعد ابنِ سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت رضؓ کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور نیزے سیدھے کر دیئے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے نہ بڑھ سکے۔ اور لوٹنے لگے۔ حضرتؓ کی فوج نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کر ڈالے۔

عام حملہ

• اب باقاعدہ جنگ جاری ہو گئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حسینؓ کے طرف داروں کا پلہ بھاری تھا جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھا: "بیوقوفو! پہلے جان لو کہ کن سے لڑ رہے ہو؟

یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انہیں مار سکتے ہو۔"

عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت و خون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسینؓ دوڑ کر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر فرمایا:-

"مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت۔ مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ؕ!"

مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپکی جانب سے پہلے شہید تھے۔

(ابنِ جریر)

حبیب اور حُر کی شہادت

• یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے پوری قوت لگا دی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہو گئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد حُر بن یزید کی باری تھی وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے ؎

الیت لا اقتل حتی اقتلا　　ولن اصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھالی ہے کہ قتل نہیں ہوں گا۔ جب تک قتل نہ کرلوں اور مروں گا تو اسی حال میں مروں گا کہ آگے بڑھ رہا ہوں گا۔

ضربنهم بالسیف ضربا مقصلا　　لا ناکلا عنهم ولا مهللا

انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا۔ نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا۔

زہیر کی شہادت

• چند لمحوں کی بات تھی حُرؓ زخموں سے چور ہو کر گرے اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اب ظہر کا وقت ہو رہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوٰۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس موقعہ پر آپؓ کے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے ؎

انا زهیر وانا ابن القین　　اذدهم بالسیف عن الحسینؓ

میں زہیر ہوں اور ابن القین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے انہیں حسینؓ سے دور کر دوں گا۔

صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسینؓ کے شانہ پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے ؎

تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین رضؓ نے فرمایا۔ کچھ پرواہ نہیں، یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔

اور ہوا بھی یہی۔

ام وہب کا قتل

• اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا۔ اور اسکی فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ مگر کب تک۔ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہو گیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے کئی نامی سردار مارے جا چکے تھے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن عمیر الکلبی بھی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ان کی بہادر بیوی ام وہب بھی شہید ہو چکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی: "تجھے جنت مبارک ہو۔ شمر نے اسے دیکھا اور قتل کر ڈالا۔

نماز پڑھنے نہیں دی

• ابو ثمامہ عمر بن عبداللہ صائدی نے اپنی بے بسی محسوس کی اور حضرت حسین رضؓ سے عرض کیا: "دشمن اب آپ سے بالکل قریب آ گیا ہے۔ واللہ! آپ اس وقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں۔ لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر ملوں جس کا وقت آ گیا ہے۔"

یہ سن کر حضرت رضؓ نے سر اٹھایا اور فرمایا: "دشمنوں سے کہو ہمیں نماز پڑھنے کی مہلت دیں۔"

مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

نے انہیں دیکھا تو فرمانے لگے: "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ ابھی چند لمحوں بعد تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔"

انہوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا: "ہم اپنی جان پر نہیں روتے ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔"

پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے۔

"السلام علیک یا ابن رسول اللہ!"

جواب ملتا: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!"

اور دشمن پر ٹوٹ پڑتے۔ آخر دونوں شہید ہو گئے۔

حنظلہ ابن اسعد کی شہادت

• ان کے بعد حنظلہ ابن اسعد حضرت کے سامنے آکھڑے ہوئے اور بآوازِ بلند دشمن سے مخاطب ہوئے: "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمہیں بھی روزِ بد نہ دیکھنا پڑے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم برباد نہ ہو جاؤ۔ اے قوم! حسینؓ کو قتل نہ کرو۔ ایسا نہ ہو خدا تم عذاب نازل کر دے۔

بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبر کی شہادت

• غرض کہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ ان کا رجز یہ تھا

انا علی بن حسین بن علیؓ   نحن ورب البیت اولیٰ بالنبیؐ

تاللہ لا یحکم فینا ابن الداعی

اقدم ھدیت ھادیا مھدیا ۔۔۔ فالیوم تلقی جدک نبیا
وحسنا والمرتضیٰ علیا ۔۔۔ ذوالجناحین الفتی الکمیا
واسد اللہ الشہید الحیا

بڑھ! خدا نے تجھے ہدایت دی۔ آج تو اپنے نانا نبیؐ سے ملاقات کرے گا۔ اور حسنؓ اور علی مرتضیٰؓ سے اور بہادر جوان جعفر طیارؓ سے اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہؓ سے۔

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

غفاری بھائیوں کی بہادری

• اب آپؓ کے ساتھیوں نے دیکھا، دشمن کو روکنا ناممکن ہے، چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ آپؓ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر ان کی زبان پر جاری تھے۔

قد علمت حقا بنو غفار ۔۔۔ وخندف بعد بنی نزار
بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ ہم بے پناہ
لنضربن معشر الفجار ۔۔۔ بکل عضب صارم بتار
شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار ۔۔۔ بالمشرفی والقنا الخطار
اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو۔

جابری لڑکوں کی فدا کاری

• اس کے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے دو بھائی تھے۔ زار و قطار رو رہے تھے جعفرؓ

یا جواب دے۔ مگر تجھے اسکی آواز نفع نہ پہنچا سکے۔ افسوس تیرے چچا کے بہت دشمن ہو گئے اور دوست باقی نہ رہے۔"

پھر لاش اپنی گود میں اٹھالی۔ لڑکے کا سینہ آپؓ کے سینہ سے ملا ہوا تھا۔ اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟

جواب ملا، قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب۔

مولود تازہ کی شہادت

● حضرت حسینؓ پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ عین اسوقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچے کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچہ کی روح اسی وقت پرواز کر گئی۔ آپؓ نے تیر اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا خون سے چلّو بھرا اور اسکے جسم سے مل کر فرمانے لگے: "واللہ! تو خدا کی نظر میں حضرت صالحؑ کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمدؐ خدا کی نظر میں صالحؑ سے زیادہ افضل ہیں۔ الٰہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے (الیعقوبی وابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول

● اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہلبیت شہید ہو گئے۔ ان میں سے ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں۔

۱۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل ۲۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل ۳۔ عبداللہ بن عقیل ۴۔ عبدالرحمٰن بن عقیل ۵۔ جعفر بن عقیل ۶۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر ۷۔ عون بن عبداللہ بن جعفر ۸۔ عباس بن علی ۹۔ عبداللہ بن علی ۱۰۔ عثمان بن علی ۱۱ محمد بن علی ۱۲۔ ابوبکر بن علی ۱۳۔ ابوبکر بن حسن ۱۴۔ عبداللہ بن الحسن ۱۵۔ قاسم بن الحسن ۱۶۔ علی بن حسین ۱۷۔

میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبیؐ کے قرب کے زیادہ حق دار ہیں۔ قسم خدا کی! نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہ کر سکے گا۔"
بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر وہ منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے: میں نے دیکھا، خیمے سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اٹھتا ہوا سورج وہ چلا رہی تھی: "آہ بھائی! آہ بھتیجے!! میں نے پوچھا، یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: "زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ لیکن حضرت حسینؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچا آئے۔ پھر علی اکبر کی نعش اٹھائی اور خیمہ کے سامنے لا کر رکھ دی۔

ایک جوان رعنا

● اِن کے بعد اہلبیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے، یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا، وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندھے اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا ہوا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اُس کے سر پر تلوار مار دی۔ نوجوان چلایا۔ "ہائے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسینؓ بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضب ناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اٹھا دیا۔ مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اڑ چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اسے روند ڈالا۔ راوی کہتا ہے۔ جب غبار چھٹ گیا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت حسینؓ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آپ فرما رہے ہیں: "ان کے لئے ہلاکت جنہوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اسے پکارے اور وہ جواب نہ دے

حضرت حسین رضی کی شجاعت

اب آپ رضی پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا۔ آپ رضی نے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیادل فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ عبداللہ بن عمار جو خود اس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین رضی پر حملہ کیا اور اُن کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا۔ مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوُں۔ میں نے دیکھا کہ دائیں بائیں ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے۔ لیکن وہ جس طرف مُڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وُہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ! میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھرانہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو، ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اسطرح بھاگ کھڑے ہوتے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا خیمہ سے باہر نکلیں۔ اِن کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وُہ چلاتی تھیں۔ کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے۔ یہ وُہ موقعہ تھا جب کہ عمر بن سعد حضرت حسین رضی سے بالکل قریب ہو گیا تھا۔ زینب رضی نے پکار کر کہا: "اے عمر! کیا ابو عبداللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟"

عمر نے منہ پھیر لیا۔ مگر اُس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپ کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا

لڑائی کے دوران میں آپ رضی کو بہت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا۔ اچانک تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ رضی نے تیر کھینچ لیا۔ پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چُلو خون سے

عبداللہ بن حسین۔

ایک بچے کی شجاعت

ان سب کے بعد خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کر کے آتے تھے۔ مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے۔ لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہلبیت کے خیمہ میں عورتیں اور چند نو عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا۔ حضرت زینبؓ کی نظر پڑ گئی۔ دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسینؓ نے دیکھ لیا اور بہن سے کہا: ”روکے رہو آنے نہ پائے“

مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اس وقت بحر بن کعب نے تلوار اٹھائی۔ لڑکے نے فوراً ڈانٹ پلائی: ”او خبیث امیرے چچا کو قتل کرے گا“

سنگ دل حملہ آور نے تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ پر روکی ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلا آیا۔ حضرت نے اسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا: ”صبر کر! اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالےٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہنچا دے گا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن ابی طالب، حمزہؓ، جعفرؓ اور حسن بن علیؓ تک۔“

٭٭٭٭٭٭٭٭٭

پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا: "سر کاٹ لے۔"

وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا۔ مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا:
"خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے۔"

پھر جوش سے اترا۔ آپ کو ذبح کیا اور سر تن سے جدا کر لیا۔ جعفر بن علی بن محمد سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے۔

قاتل

• سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کس قدر فتور تھا۔ قتل کے وقت اسکی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا وہ اس پر حملہ آور ہوتا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کوئی دوسرا ان کا سر کاٹ نہ جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالے کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا۔

اوقر رکابی فضۃ وذھبا   انی قتلت الملک المحجبا

مجھے چاندی سونے سے لاد دو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے۔

قتلت خیر الناس اما وابا   وخیرھم اذ ینسبو انسبا

میں نے اسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے۔

عمر بن سعد نے اسے اندر بلا لیا۔ بہت خفا ہوا۔ واللہ تو مجنون ہے۔ پھر اپنی لکڑی سے اسے مار کر کہا: "پاگل ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے بھی مروا ڈالتا۔" (ابن جریر)

بھر گئے۔ آپؓ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا: "الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسولؐ کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے۔"

تو بزیر بر بام آ چہ خوش تماشائیست

شمر کو سرزنش

• پھر آپؓ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو شمر اور اُس کے ساتھیوں نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روزِ آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمہ کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو۔"

شمر نے جواب دیا: "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا۔"

آخری تنبیہ

• اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپؓ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر ذی الجوشن نے کہا: "تمہارا بُرا ہو! کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے۔"

اب ہر طرف سے نرغہ ہوا۔ آپؓ نے پکار کر کہا: "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو؟ واللہ! میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہو گا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہو گا۔"

شہادت

• مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپؓ کے ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پہ گر

کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ قرہ بن قیس (جو عینی شاہد ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسینؓ اور اُن کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا: "اے محمدؐ! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ حسینؓ ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون سے آلودہ ہے۔ تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ تیری بیٹیاں قید ہیں۔ تیری اولاد مقتول ہے۔ ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے۔" راوی کہتا ہے، دوست و دشمن کوئی نہ تھا، جو ان کے بین سے رونے نہ لگا ہو۔ (ابن جریر)

بہتر سر • پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے کل بہتر ۷۲ سر تھے۔ شمر ذی الجوشن ابن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزمرہ بن قیس، یہ تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے • حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسینؓ کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہے کہ حسینؓ کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقمؓ چلا اٹھے: "ان لبوں سے چھڑی ہٹا لے۔ خدا کی قسم! میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔" یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا: "خدا تیری آنکھوں کو رلائے

لوٹ کھسوٹ

• قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اتار لئے۔ پھر آپ کے خیمہ کی طرف بڑھے۔ زین العابدینؒ بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچا اور کہنے لگا: "اسے بھی قتل کیوں نہ کر ڈالیں؟"

لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی اور کہا: "کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے؟" اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا: "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ ان کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو، واپس کر دے"۔

زین العابدینؒ یہ سن کر اپنی بیمار آواز میں بولے: "عمر بن سعد! خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ تیری زبان نے ہمیں بچالیا"۔

نعش روند ڈالی

• عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسینؓ کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اس نے پکار کر کہا: "اس کام کے لئے کون تیار ہے؟"

دس آدمی تیار ہو گئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا۔

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

اس جنگ میں حضرت حسینؓ کے بہتر آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے اٹھاسی قتل ہوئے (ابن جریر کامل یعقوبی)

حضرت زینبؓ نے پامال لاش دیکھی

• دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہلبیت

واہروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے"۔

ابنِ زیاد نے کہا۔ تو نے دیکھا۔ خُدا نے تیرے خاندان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟"

حضرت زینبؓ بولیں۔ "ان کے مقدر میں قتل کی موت لکھی تھی۔ اس لئے وُہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خُدا تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کر دے گا۔ اور تم باہم اسُ کے حضور سوال و جواب کر لو گے"۔

ابنِ زیاد غضب ناک ہوا۔ اس کا غصہ دیکھ کر عمر بن حارث نے کہا: "خدا امیر کو سنوارے۔ یہ تو ایک عورت ہے۔ عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیئے"۔

پھر کچھ دیر بعد ابنِ زیاد نے کہا "خُدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہلبیت کے باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا"۔

اس پر حضرت زینبؓ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں اور بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا "واللہ! تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے"۔

ابنِ زیاد نے مسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہے۔ تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا"۔

زینبؓ نے کہا: "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ تو دل کی آگ ہے"۔

ابنِ زیاد اور امام زین العابدینؒ

• اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابنِ زیاد کی نظر زین العابدین بن حسین بن علیؓ پر پڑی۔ ... بیمار تھے۔ ابنِ زیاد ان سے ان کا نام پوچھا۔

واللہ! تو اگر بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔"

زید بن ارقم رضؓ یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے: "اے عرب! آج سے تم غلام ہو۔ تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبیداللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا۔ اور تمہارے شریروں کو غلام بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں۔"

بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی۔

ابن زیاد اور حضرت زینب رضؓ

• راوی کہتا ہے جب اہلبیت کی خاتونیں اور بچے عبیداللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب رضؓ نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبیداللہ نے پوچھا: "یہ کون بیٹھی ہیں؟"

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر خاموشی ہی رہی۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا: "یہ زینب بنت فاطمہ رضؓ ہیں۔"

عبیداللہ شماتت کی راہ سے چلایا: "اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا۔"

اس پر حضرت زینب رضؓ نے جواب دیا: "ہزار ستائش اس خدا کے لئے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عزت بخشی اور پاک کیا۔ نہ کہ جیسا تو کہتا ہے۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں

ؔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت انس رضؓ نے یہ کہا تھا (منہاج السنۃ)

قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا لڑکے کو چھوڑ دو۔ یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔ (ابن جریر وغیرہ)

ابنِ عفیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابنِ زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی جس نے حق ظاہر کیا۔ حق والوں کو فتحیاب کیا۔ امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اور اُن کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابنِ کذاب حسین ابنِ علیؓ اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ سُن کر عبداللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علیؓ کے مشہور صحابی ہیں اور جنگِ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہو گئے اور چلائے: "خدا کی قسم اے ابنِ مرجانہ کذاب ابنِ تو تُو ہے نہ کہ حسین بن علیؓ"

ابنِ زیاد نے یہ سُن کر اُنہیں قتل کروا ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابنِ زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر بالش پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے جس وقت زحر بن قیس پہنچا میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔

یزید نے اُس سے سوال کیا: "کیا خبر ہے؟"

قاصد نے جواب دیا: "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں حسین ابنِ علیؓ اپنے اٹھارہ اہلبیت اور ۶۰ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی ان پر ہلّہ بول دیا۔ جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے۔

انہوں نے کہا: "علی بن حسین"

ابنِ زیاد نے تعجب سے کہا۔ کیا اللہ نے علی بن حسین رضؓ کو قتل نہیں کر ڈالا؟"

زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابنِ زیاد نے کہا: "بولتا کیوں نہیں؟"

انہوں نے جواب دیا: "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مار ڈالا۔"

ابنِ زیاد نے کہا: "لوگوں نے نہیں، خُدا نے مارا ہے۔"

اس پر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ خُدا ہی موت کے وقت جان لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اُس کے اِذن کے مر نہیں سکتا۔"

اس پر ابنِ زیاد چلّایا: "خُدا تجھے مارے! تُو بھی تو ان ہی میں سے ہے۔"

پھر اسکے بعد ابنِ زیاد نے چاہا کہ انہیں قتل کر ڈالے۔ لیکن زینب رضؓ بیقرار ہو کر چیخ اٹھیں: "میں تجھے خُدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے اور لڑکے کو ضرور قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ مار ڈال۔"

امام زین العابدین رحؒ نے بلند آواز سے کہا: "اے ابنِ زیاد! اگر تو اِن عورتوں سے ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد اِن کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پہ ان سے برتاؤ کرے۔"

ابنِ زیاد دیر تک زینب رضؓ کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ واللہ! مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ

بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پہ پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلّایا۔ "میں امیر المؤمنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں۔"

یزید یہ سُن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا: "محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے نہیں پیدا کیا۔"

یزید اور امام زین العابدینؒ

● پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہلبیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدینؒ سے مخاطب ہوا۔ اے علیؓ! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا۔ میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پہ خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔

امام زین العابدینؒ نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔

"ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر ہ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتٰکم ؕ واللہ لا یحب کل مختال فخور ہ

تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو۔ اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔"

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں:۔

ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا

جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اسوقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے تر بتر خون ہیں ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گِدوں کی خوراک بن رہے ہیں۔

یزید رونے لگا

• راوی کہتا ہے کہ یزید نے یہ سُنا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ کہنے لگا: "بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ سے ضرور درگزر کرتا۔ خدا حسینؓ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"

قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔ (ابن جریر کامل، تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تاثر

• یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا ؂

یفلق ھاما من رجال اعزۃ علینا وھم کانوا اعق واظلما

"تلواریں ایسوں کا سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں۔ حالانکہ دراصل وہی فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا: "واللہ! اے حسین! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا۔"

اہل بیت دمشق میں

• حضرت حسینؓ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلہ کے سالار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ

کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔"
یزید اور بھی خفا ہو کر کہنے لگا۔ "دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے۔"
زینبؓ نے بلا تامّل جواب دیا "اللہ کے دین سے۔ میرے باپ کے دین سے۔ میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے، تو نے، تیرے باپ نے ہدایت پائی ہے۔"
یزید چلایا۔ "اے دشمنِ خدا تو جھوٹی ہے۔"
زینبؓ بولیں۔ "تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں بکتا ہے۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔"
حضرت فاطمہ بنتِ علیؓ کہتی ہیں۔ یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضب ناک ہو کر اسے ڈانٹ بتائی۔ "دور ہو کم بخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے۔"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤسا و امراء کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا "ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟"
بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا۔ مگر نعمان بن بشیرؓ نے کہا۔ ان کے ساتھ وہی سلوک کیجئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔"
حضرت فاطمہ بنتِ حسینؓ نے یہ سن کر کہا۔ "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں۔"
اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہو گئی۔ وہ اور درباری اپنے

عن کثیرہ

جو مصیبت بھی آتی ہے، خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں خدا معاف کر دیتا ہے۔"

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انہیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا ان کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا۔ خدا ابنِ مرجانہ کا برا کرے۔ اگر تم سے اس کا رشتہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا۔ نہ اس حال میں تمہیں میرے پاس بھیجتا۔

حضرت زینبؓ کی بیباکانہ گفتگو

• حضرت فاطمہ بنت علیؓ سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجیئے۔

اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔

میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینبؓ کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں زیادہ سمجھ دار تھیں۔ جانتی تھیں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے پکار کر کہا: "تو کمینہ ہے نہ تجھے اس کا اختیار نہ اسے یزید کو، اس کا حق ہے۔"

اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہے۔ واللہ! مجھے یہ حق حاصل ہے۔ اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں۔"

زینبؓ نے کہا: "ہرگز نہیں۔ خدا نے تمہیں ہرگز یہ حق نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے

حسین رضؓ کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بھول گئے۔ اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیٔ قدیرہ

پھر اہلبیت کی خاتونیں یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندانِ معاویہ رضؓ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

● پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین رضؓ نے اس سے کہا: "اے یزید! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں"

یزید نے جواب دیا۔ "اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟"

فاطمہ رضؓ نے کہا۔ "بخدا! ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی"

یزید نے کہا۔ "تم لوگوں کا جتنا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ تمہیں دوں گا"

چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا اس سے دگنا تگنا دے دیا گیا۔

یزید کا دستور تھا کہ روزانہ صبح و شام کھانے میں علی بن حسین رضؓ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت حسن رضؓ کے کمسن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا۔ تو اس سے لڑے گا۔ اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔

عمرو بن حسن رضؓ نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا۔ یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو، ایک چھری اسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو۔

یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن رضؓ کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا۔ اور کہا۔ "سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔"

٭٭٭٭٭٭

آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔"

یزید کی بیوی کا غم

• اس اثنا میں اس واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ ہند بنت عبداللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آ کر یزید سے کہا "امیر المؤمنین! کیا حسینؓ ابن فاطمہؓ بنت رسولؐ کا سر آیا ہے؟"

یزید نے کہا: "ہاں! تم خوب رو ؤ، بین کرو۔ رسولؐ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا۔ خدا اُسے بھی قتل کرے۔"

حسینؓ کی اجتہادی غلطی

• اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا۔ تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسینؓ کی اجتہادی غلطی ہے۔ انہوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں۔ اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے، صحیح نہیں۔ علیؓ اور معاویہؓ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہُوا۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی تو بلا شُبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہؓ بنتِ رسول اللہؐ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا میرے نانا سے افضل تھے۔ تو قسم خُدا کی کوئی بھی یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا۔ رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔

اچھا برتاؤ کیا۔ جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علیؓ اور حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا " یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تجھے دیں۔"

اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا " واللہ! میرا یہ برتاؤ کسی بھی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے تھا۔"

مدینہ میں ماتم اہلبیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جاں گسل خبر پہنچ چکی تھی بنی ہاشم کی خاتونوں نے سُنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں ؎

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم اٰخر الامم
بعترتی وباھلی بعد مفتقدی منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

" کیا کہو گے جب نبیؐ تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخر امت ہو، تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا۔ کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔"

یزید کی زود پشیمانی • یزید نے اہلِ بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور کہتا۔ ”کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے پاس رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی لیکن اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہو جاتی۔ خدا کی لعنت ابنِ مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جس نے حسینؓ کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسینؓ نے کہا تھا، میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے۔ یا مسلمانوں کی سرحدوں پہ جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابنِ زیاد نے ان کی بات نہ مانی اور قتل کر ڈالا۔ ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابنِ مرجانہ پر، خدا کا غضب ابنِ مرجانہ پر“

اہلبیت کو رخصت کرنا • پھر جب اہلِ بیت کو مدینہ بھیجنے لگا۔ تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ پھر کہا۔ ”ابنِ مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسینؓ کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی شرط پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو مجھ سے برابر خط وکتابت کرتے رہنا۔ جو ضرورت بھی پیش آئے خبر دینا۔“

بعد میں حضرت سکینہ کہا کرتی تھیں میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔

اہلبیت کی فیاضی • یزید نے اہلِ بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے

وقت است کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی
سوزِ نفس نوحہ گر از تلخ نوائی

وقت است کہ بر دگیاں گزرہِ تعظیم
بر درگہ شاں کردہ فلک ناصیہ سائی

از خیمۂ آتش زدہ عریاں بدر آئیند
چوں شعلہ دخاں بر سرِ شاں کردہ روائی

جاں کہ ہمہ فرسودہ تشویشِ اسیری
دل ہا ہمہ خوں کشتہ اندوہ، رہائی

تنہاست حسین ابنِ علیؓ در صفِ اعداء
اکبر! تو کجا رفتی و عباس! کجائی

سچ یہ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کے لئے سوز و تپش کی ضرورت ہو، جن بار بار درد کو روح کی راحت کے لئے جسم کے ماتم کی تلاش ہو، جن کی زبانیں آہ و فغاں کو محبوب، اور جن کی آنکھیں خوننابہ فشانی کو اپنا مطلوب و مقصود سمجھتی ہوں، اُن کی صحبت ماتم و الم کی رونق کے لئے یہی افسانہ اتنا کچھ سامانِ غم اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ اگر خون کے سیلاب سمندروں کی روانی سے بہہ جائیں اور بے شمار لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات یکسر جنبش میں آجائیں۔ جب بھی ان کی نداء حال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی۔ جو اس کے ایک ایک لفظ کے اندر سے توصیہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے۔

لیکن آہ! کتنے دل ہیں جنہوں نے اس واقعہ کو اس کے حقیقی بصائر و معارف کے

عشرۂ محرّم الحرام

شمع ہا بُردہ ام از صدق بخاک شہدا

تا دل و دیدۂ خونناب نشانم دادند،

آیئے سب سے پہلے آج ایک بھولی ہوئی صحبتِ ماتم کو پھر تازہ کریں۔

کتنے دن گزر گئے کہ راہ و رسمِ ماتم و شیون سے ناآشنا ہیں۔ نہ صدائے ماتم کی فغاں سنجی ہے اور نہ چشمِ خونبار کی اشک فشانی۔ کاروبارِ غم کی رونق افسردہ ہو چکی ہے اور رونہ بازارِ درد کی چہل پہل مدت سے موقوف ہے۔

نہ داغ تازہ می خارد، نہ زخمِ کہنہ می کارد

بدہ یا رب دلے کیں صورت بیجاں نمی خواہم

طرابلس کے خون آلود ریگستان کو اگر لوگوں سے بھلا دیا، مشہدِ مقدس اور تبریز کا قصۂ الم اگر ذہنوں سے محو ہو گیا، مقدونیہ اور البانیہ کے تازہ ترین افسانہ ہائے خونیں اگر فکروں سے فراموش ہو گئے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اربابِ دردِ غم کے لئے ایک ایسی داستانِ الم صدیوں سے موجود ہے، جو کبھی بھلائی نہیں جا سکتی اور اگر لوگ اُسے بھلا بھی دیں تو بھی ہر سال چند ایسے ماتم آلود دن ہیں جو تازگیٔ زخمِ کہن کے لئے آموجود ہوتے ہیں۔ جو از سرِ نو تیرہ سو برس پیشتر کے ایک حادثۂ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کر دیتے ہیں، اِس سے میرا اشارہ حادثۂ ہائلۂ کبریٰ یعنی شہادتِ حضرت سید الشہداء علیہ و علیٰ اجدادہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔ عظم اللہ اجورنا بمصائبنا!

انہوں نے اسلام کی رُوحِ حریت و جمہوریت کو غارت کیا۔ اور مشورہ و اجماعِ امت کی جگہ محض غلبہ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظامِ حکومت شریعتِ الٰہیہ نہ تھا۔ بلکہ محض اغراضِ نفسانیہ و مقاصدِ سیاسیہ۔ ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثالی مثال قائم کی جاتی اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالمِ بنی امیہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی۔ اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اُسکی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو۔ اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو، جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکامِ مستبدہ و جابرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم پر ہو۔

مقابلے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس قوتِ شوکتِ مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو، جو ظالموں کے پاس ہے۔ کیونکہ حسین ابن علیؓ کے ساتھ چند ضعفاء و مساکین کی جمعیتِ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پرواہ ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں یہ اس قوتِ قاہرہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمت دنیوی کے نامراد و نگوں سار کرتی ہے۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ (۲۴۹-۱۲)

اندر دیکھا ہے؟ اور کتنی آنکھیں ہیں جو حسین ابنِ علیؓ شہید پر گریہ و بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتے ہیں جو اس حادثۂ عظمیٰ کے اندر موجود ہے؟

فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی تھی کہ پیروانِ اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے۔ اور اس طرح جہادِ حق و عدالت اور اس ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کر دے۔ پس جو بے خبر ہیں ان کو رونا چاہیئے۔ ان لم تبکوا فتباکوا۔

اور جو روتے ہیں اُن کے رونے پر ہی اکتفا نہ کرنا چاہیئے۔ ان کے سامنے سید الشہداء نے اپنی قربانی کا اسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے۔ اور کسی رُوح کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ محبتِ حسینؓ کی مدعی ہو۔ جب تک اسوۂ حسینی کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر ثبوت نہ دے۔

دُنیا میں ہر چیز مر جانی ہے کہ فانی ہے۔ مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں، کبھی بھی فنا نہیں۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را!
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثۂ عظیمہ ہمارے سامنے ہے۔ دعوت الی الحق اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔

کے لئے اپنی غذا حاصل کر سکا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بالآخر سر سے لے کر پیر تک وُہ زخموں سے چور ہوا اور اس خلعت شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا۔ تاکہ اس کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہنچے، جو دوستوں کو خاک و خوُن میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

اُرِیْدُ وَصْلًا لَہٗ وَیُرِیْدُ قَتْلِیْ

تاہم فتح اُس کی تھی اور فیروزمندی و کامرانی کا تاج صرف اُسی کے زخم خوردہ سر پہ رکھا جا چکا تھا۔ وُہ تڑپا اور خاک و خون میں لوٹا، پر اپنے اس خوُن کے ایک ایک قطرہ سے جو عالم اضطراب میں اُس کے زخموں سے ریگ و سنگ پر بہتا تھا، انقلاب و تغیرات کے وُہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیئے، جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خوُں آشامی روک سکی نہ حجاج کی بے اماں خونخواری اور نہ عبد الملک کی تدبیر و سیاست۔

وُہ بڑھتے اور بھڑکتے ہی رہے۔ ظلم و جبر کا بانی نبل بن کر اُن کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا۔ اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بن کر اُن کی ایک چنگاری کو آتش کدہ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آ گیا اور جو کچھ ؁۶۱ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا وہ سب کچھ ؁۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق، بلکہ تمام عالم اسلام کے اندر ہوُا۔ صاحبان تاج و تخت خاک و خوُن میں تڑپے، اُن کی لاشیں گھوڑے سموں سے پامال کی گئیں۔ فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مُردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور اس طرح۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْآ اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ٥	بہت جلد ظالم اس بات کو جان لیں گے کہ کس جگہ وُہ لوٹائے جائیں

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں، جو بڑی جماعتوں پر حکمِ الٰہی سے غالب آ گئیں۔
ایسی دنوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ جو فی نفسہٖ اگرچہ عقل و دانائی میں آکر ایک فرشتہ ہے، لیکن کبھی کبھی شیطانِ رجیم بھی اس کے بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہے۔ نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں؟

آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔

تاریخِ عالم کی صدہا امثالِ مقدسہ و محترمہ جہاد سے قطع نظر، تمہارے سامنے خود مظلومِ کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی کبھی کیا جائے؟

میں کہتا ہوں کہ حسین ابن علیؓ نے صرف (۷۲)، یا باسٹھ (۶۲) بھوکے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر و جابرہ کا مقابلہ کیا۔ جس کے حدودِ سلطنت ملتان اور سرحدِ فرانس تک پھیلنے والے تھے۔

اور گو یہ سچ ہے کہ اسؑ[1] نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا۔ اور پھر ایک ایک کر کے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک و خون میں تڑپا اور جاں بحق تسلیم ہوا۔

اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کے لئے پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے

---

[1] مراد حضرت حسینؓ ہیں۔

اس قفس جادۂ حق وصداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا اس کا اعادہ ضروری نہیں کہ سب کو معلوم ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کئے ہیں۔

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف	اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائشوں میں
والجوع ونقص من الاموال	ڈالے گا۔ وہ حالت خوف وہراس
والانفس والثمرات	بھوک اور پیاس نقصان مال و
وبشر الصابرین الذین	جان اور ہلاکت اولاد واقارب
اذا اصابتہم مصیبۃ	میں مبتلا کرکے تمہارے صبر و استقامت
قالوا انا للہ وانا الیہ	کو آزمائے گا۔ پس اللہ کی طرف
راجعون ٥ (٢، ۵۵، ۱۵۶)	سے بشارت ہے، ان کے لئے جن کے

ثبات واستقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اپنے تمام معاملات یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

خوف وہراس، بھوک اور پیاس، نقصانِ اموال ومتاع، قتلِ نفس واولاد، یہی چیزیں انسان کے لئے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ان ہی چیزوں کو راہِ الٰہی کے لئے آزمائش قرار دیا گیا ہے۔

لیکن مظلومِ کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کرکے موجود تھے۔ وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پاکر آرام وراحت اور شوکت وعظمت حاصل کر سکتا تھا۔ اگر حکومت ظالمہ کی وفاداری واطاعت کا عہد کر لیتا اور حق وصداقت سے روگردانی کے لئے مصلحتِ وقت کی تاویل پر عمل کرتا، پر اس نے خدا کی مرضی پر

(۲۶ : ۲۷)　　　　گے۔

کا پورا پورا ظہور ہوا۔

پھر یہ سب کچھ جو ہوا وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابو مسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا۔ کیا یہ اسی خون کا اعجاز نہ تھا، جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا۔ پھر یہ فتح مندی تو بہ حسب ظاہر ہے جس کے نتائج کے لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا۔ ورنہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے، اسی وقت اپنی مصنوعی فتح مندی حاصل کر لیتا ہے

بہر حال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ لیکن حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا پرواہ نہ کرو اگر ظلم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اور ایسے ہونا ہی چاہیئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہو سکتا۔ اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظلم خواہ ضعیف ہو، خواہ قوی، ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ ظلم ہے اور حق و انصاف ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر حفظ جان و ناموس اور محبت فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں۔ لیکن یہ اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزما لیں۔ ایسا نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔ ع

جرم را ایں جا عقوبت ہست استغفا نیست

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ
آں جا کہ لطمہ ہائے ید اللہی زنند

فی الحقیقت اس شہادتِ عظمیٰ کی سب سے بڑی مزیت و خصوصیت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب، اہل و عیال اور فرزند و احباب کے ساتھ دشتِ غربت و مصائب میں محصور اور راہی ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدتِ عطش و جوع سے آہ و بکا کرتے ہوئے دیکھنا، پھر اُن میں سے ایک ایک کی خوں آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا، حتیٰ کہ اپنے طفلِ شیرخوار کا بھی تیرِ ظلم و بربریت سے نخچیر پانا۔ مگر بایں ہمہ راہِ حق و صداقت میں جو پیمانِ صبر و استقامت باندھا تھا اس کا ایک لمحہ بلکہ ایک عشرِ دقیقہ کے لئے بھی متزلزل نہ ہونا، اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئیں سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا۔ کہ

رضینا بقضاء اللہ وصبرنا علی بلائہ
پیکاں ترا بجاں خریدار
مَن مرہمِ دیگراں نخواہم

دوست کے ہاتھ سے جامِ زہر بھی ملتا ہے تو تشنہ کامانِ زلالِ محبت اسے غیروں کے جامِ شہد و شکر پر ترجیح دیتے ہیں۔

اے جفا ہائے تو خوشتر از وفائے دگراں

آج بھی اگر گوشِ حقیقت نیوش باز ہو تو خاکِ کربلا کا ایک ایک ذرّہ توصیہ فرمائے صبر و استقامت ہے ؎

شدیم خاک و لیکن بوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

ترجیح دی اور حق کا عشق، زندگی اور زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا۔ اُس نے اپنا سر دے دیا کہ انسان کے پاس حق کے لئے یہی کچھ ہے۔ یہی ایک آخری متاع ہے، پر اطاعت و اقرار و وفاداری کا ہاتھ نہ دیا جو صرف حق و عدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا تھا۔

ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ ط واللہ رؤف بالعباد

(۲: ۲۰۷)

اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی کی طلب میں جانیں تک فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ بھی اپنے بندوں کے لئے شفقت و مہربانی رکھنے والا ہے۔

سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظمیہ کی لسانِ حال اس کی ترجمانی کرتی ہے۔ راہِ مصائب و جہادِ حق میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے کہ:۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا

(۴۱: ۳۰)

بلا شبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہی ہے اور پھر اس بات پر قائم رہے۔

دوسری جگہ کہا:۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ

(۱۱: ۱۱۳)

پس چاہیئے کہ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے (اے نبیؐ) قائم رہیں (اپنی راہ میں) استوار ہو جاؤ۔

وللہ درما قال۔

وخرت مغشیا علیہا وصاحت واویلاہ واثکلاہ!
فتقدم الیہا فصب علی وجہہا الماء وقال لہا یا اختاہ!
تعزی بعزاء اللہ فان لی ولکل مسلم اسوۃ برسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(تاریخ یعقوبی مطبوعہ لیڈن جلد دوم صفحہ ۲۹۰)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام علی بن حسین رضی زین العابدین کہتے ہیں:-
جس رات کی صبح کو میدانِ شہادت گرم ہونے والا تھا عین اسی شب کا واقعہ
ہے کہ میں بیمار پڑا تھا۔ میری پھوپھی زینب رضی میری تیمار داری میں مصروف
تھیں۔ اتنے میں حضرت امام حسین رضی داخل ہوئے وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے۔
جنہیں سن کر میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ میری آنکھوں سے بے اختیار
آنسو جاری ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلاءِ الٰہی نازل ہو گئی ہے
اور اب اس سے چارہ نہیں۔

مگر حضرت زینب رضی ضبط نہ کر سکیں کیونکہ عورتیں و تی طور پر زیادہ
رقیق القلب ہوتی ہیں۔ وہ ماتم کناں چلا اٹھیں۔ کہ

واحسرتا! وامصیبتا الیوم ماتت فاطمۃ رضی وعلی رضی والحسن رضی بن
علی رضی۔

لیکن حضرت حسین رضی نے یہ حالت دیکھی تو ان کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا:
اے بہن! یہ کیا بے صبری ہے اور کیسا جزع وفزع ہے۔ اللہ سے ڈرو
کہ موت یقیناً ایک آنے والی چیز ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔"

افسوس کہ تفصیلِ مطالب کا ارادہ نہیں اور وقت وگنجائش مقتضی اجمال وایجاز۔ اگر اس صبر واستقامت کے اسوۂ حسنہ کو دیکھنا چاہتے ہو تو خدارا اسفارِ تاریخ کی طرف توجّہ کرو۔

صرف ایک روایت یہاں لکھوں گا۔ تاکہ جو لوگ خاندانِ نبوّت اور عترتِ رسالتؐ کی محبّت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وُہ غور کریں کہ ادعاءِ محبّت بغیر متابعت بیکار ہے۔

ان المحب لمن یحب یُطیع!

حضرت امام علی بن الحسینؓ الشہیر بہ امام زین العابدین کہتے ہیں۔

انی لجالس فی العشیۃ التی قتل ابی الحسین فی صبیحتہا وعمتی زینب تمرضنی اذ دخل وھو یقول۔

یا دھر اف لک من خلیل | کم لک فی الاشراق والاصیل
من طالب وصاحب قتیل | والدھر لا یقنع بالبدیل
وانما الامر الی الجلیل | وکل حی سالک السبیل

فعھمت ما قال وعرفت ما اراد وخنقتنی عبرتی ورددت دمعی وعرفت ان البلاء قد نزل بنا۔ واما عمتی زینب فانھا لما سمعت ما سمعت والنساء من شأنھن الرقۃ والجزع فلم تملک ان وثبت تجر ثوبھا حاسرۃ وھی تقول واثکلاہ!

لیست الموت اعدمنی الحیوۃ الیوم ماتت فاطمۃ وعلی والحسین ابن علی اخی فنظر الیھا فردد غصۃ ثم قال یا اختی! اتقی اللہ! فان الموت نازل لا محالۃ فلطمت وجھھا وشقت جیبھا

شہادتِ حسینؓ اور اسلام

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ خون آلود حرفوں میں لکھا گیا اور اشک بار آنکھوں سے پڑھا گیا۔ لیکن اس دردانگیز واقعہ اور ماتم خیز حادثہ کے اندر شریعتِ اسلامیہ کی بے شمار بصیرتیں مضمر تھیں۔ جن کو خون کی ان چادروں نے چھپا دیا اور ہزاروں اسوہ ہائے حسنہ مخفی تھے۔ جن کے آنسوؤں کے سیلاب بہائے گئے۔

اس لئے اب ہم کو قدیم زمانے کی مجلس ہائے ماتم میں ایک نئے حلقۂ ماتم کا اضافہ کرنا چاہیئے۔ اور خون آلود آنسوؤں کا چشمہ ہمارے زخم رسیدہ دلوں سے ابل رہا ہے۔ اس کو کچھ دیر کے لئے ملتوی کر کے خود واقعۂ شہادت کو اسرارِ شریعتِ اسلامیہ کا سرچشمہ بنانا چاہیئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر ماتم کرنے کا یہ ایک نتیجہ خیز طریق ہو گا۔ اور شریعت نے امتِ محمدیہ کو اسی قسم کے طریقِ ماتم کی ہدایت فرمائی ہے۔

دنیا میں اسلاف پرستی کا فطری مادہ ہر قوم کے اندر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اسی بنا پر تمام قوموں نے اپنے اپنے اسلاف کا ماتم مختلف طریقوں سے منایا ہے اور ان کے اعمال کو آئندہ نسل کی عبرت و بصیرت کے لئے زندہ رکھنا چاہا ہے۔ لیکن ان تمام طریقوں میں جو طریقہ سب سے زیادہ مقبول ہوا وہ وہی ہے جس کی بنیاد دنیا کی بت پرستی نے رکھی اور در اصل اصنام پرستی کی زنجیرِ عمل کی پہلی اور آخری کڑی اسی کو سمجھنا چاہیئے۔ پہلی اس لئے کہ بسا اوقات انسانوں نے اسی راہ سے اصنام

لیکن حضرت زینبؓ شدتِ غم و حزن سے مضطرب تھیں وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعاتِ خونیں کے ساتھ طلوع ہو گی۔ فرطِ غم میں انہوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا۔ گریبان پھاڑ ڈالا اور واویلا! واحسرتا! پکارتی ہوئی بے ہوش اپنے بھائی پر گر پڑیں۔

حضرتِ حسینؓ نے یہ حالت دیکھ کر ان کے منہ پہ پانی ڈالا اور جب ہوش میں آئیں تو فرمایا: ”اے بہن! یہ کیسا غم و حزن ہے جو تم کر رہی ہو؟ تمہیں چاہیئے کہ اللہ کے حکم و فرمان کے مطابق جو طریق عزا و حزن و غم ہے اسے اختیار کرو۔

کیونکہ میرے لئے اور ہر ایک مسلم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اعمال و افعال اتّباع اور پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

اللہ اکبر! خاندانِ نبوّت کے اس مرتبۂ رفیع اور اس درجۂ عظیم کو دیکھیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کس طرح اُنکے سامنے تھا۔ اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کے حُکم کے آگے کس طرح انہوں نے اپنے جذبات اور خواہشوں کو قربان کر دیا تھا۔

ایسے سخت اور زہرہ گداز مَوقع پر بھی ان کو اپنی بہن کا جزع فزع گوارا نہ تھا۔ اور بجائے عام الفاظ صبر و تشفّی کہنے کے، فرمایا تو یہ فرمایا کہ

”فان لی ولکل مسلم اسوۃ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم“

پھر آج کتنے مدعیانِ محبّتِ اہل بیت کرام ہیں، جو اس اسوۂ حسنہ کے اتباع کا اپنے اعمال سے ثبوت دے سکتے ہیں۔

جس میں پڑکر دنیا بار بار ٹھوکر کھا چکی تھی۔

اسلام نے ظاہر ہوتے ہی دنیا کے تمام اعمال و معمولات پر نظر ڈالی اور ہر عمل کی حقیقت و درج کو لے لیا۔ اور غیر مناسب و ناموزوں جسم و لباس کو چھوڑ دیا۔ وحشت نے جن حقیقتوں کو تاریک پردوں میں چھپا دیا تھا وہ دفعتہً چاک چاک ہو گئے۔ جہالت نے جن موتیوں کو پتھروں کے ڈھیر میں گم کر دیا تھا، وہ اس سے الگ ہو کر دنیا میں دامنِ مراد میں آ گئے۔ غیر معتدل تمدن نے جن کھلی ہوئی بصیرتوں کو خوش نما چادروں کے آب و رنگ میں رازِ سربستہ کی طرح مقفل کر دیا تھا۔ وہ یکسر خاموش ہو گئے اور حقیقت آفتاب کی طرح علانیہ بے نقاب ہو کر ہر انسان کو نظر آ گئی قرآنِ حکیم نے اسی انقلاب کو ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم	خدا مسلمانوں کا دوست اور ساتھی
من الظلمات الی النور والذین	ہے۔ ان کو ہر طرح کی تاریکیوں سے
کفروا اولیاءھم الطاغوت	نکال کر فطرتِ صالحہ کی ربانی
یخرجونھم من النور الی	روشنی میں لاتا ہے۔ مگر کفار کے
الظلمات (۲:۲۵۷)	دوست انکے طاغوت ہیں۔ جو اُن

کو خدا کی بخشی ہوئی روشنی سے نکال کر جہل و ضلالت کے اندھیرے کیطرف لے جاتے ہیں۔

یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا جس کی جھلک اسلام کی تمام تعلیمات میں نظر آتی ہے۔ اور مشاہیر پر ماتم کرنے کا طریقہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ قدماء کی یادگار قائم کرنے اور اُن کے اعمال و آثار کے زندہ رکھنے کا جو طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آیا تھا

پرستی کی منزل پائی اور آخری اس لئے کہ بت پرستی خود تو چلی گئی، مگر اپنا نقش قدم اس شکل میں اب چھوڑ گئی ہے۔

ہمارا اشارہ اسلاف پرستی کے اس طریقہ کی طرف ہے جس کی بنا پر مشاہیر ملک و قوم کے مجسمے (اسٹیچوز) بنائے جاتے ہیں اور ان کو اس لئے نصب کیا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ قوم کو ہمیشہ مشاہیر کی یاد دلائی جائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت ملے۔

اگرچہ اسلاف پرستی کا یہ نہایت قدیم طریقہ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک اس قسم کے متعدد مجسمے قائم ہو چکے تھے اور ان کی علانیہ پرستش کی جاتی تھی لیکن یونان و مصر نے ان مجسموں پر تمدن و تہذیب کا آب و رنگ چڑھا کر ان کو اور بھی شاندار اور دل فریب بنا دیا۔ آج یورپ بانیانِ تہذیب تمدن کے دیوتاؤں کی جو نمائش مجسموں کی شکل میں کر رہا ہے، ان کے اندر یونان کی اس قدیم تہذیب کا عکس نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی سطح پر بھی تصویروں کی جو صفیں نظر آرہی ہیں، ان میں بھی اسی کی جھلک پائی جاتی ہے۔

ظہورِ اسلام کی برکات

لیکن اسلام ایک دینِ خالص تھا۔ جو توحیدِ خالص کو قائم کرنا چاہتا تھا اور انسانی عظمت کی ان تمام راہوں کا ہمیشہ کے لئے دروازہ بند کر دینا چاہتا تھا۔ جو کسی حال میں بھی الٰہی عظمت کے نقطہ تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔ یا قریب ہو سکتی تھیں۔ پس وہ کسی طرح بھی قیامِ ذکر و بقائے عظمت کا ایسا طریق اختیار نہیں کر سکتا تھا

انتظار قرار دیا۔

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ (۶۰ : ۴)

تمہارے لئے حضرت ابراہیمؑ کی حیاتِ طیبہ میں، اور ان کی زندگی میں جو ان کے ساتھ ہیں

پیروی کے لئے بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔

اس بنا پر اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے، جو اسلام پرستی کی صحیح اصول پر اسلامی تعلیم دیتا ہے اور اسی صحیح اصول کے مطابق چاہیئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت کے اندر عزم و استقلال، صبر و ثبات، استبداد شکنی، قیام جمہوریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جو عظیم الشان بصیرتیں موجود ہیں، اُن کی یاد کو ہر وقت تازہ رکھیں اور کم از کم سال میں ایک بار اس مذہبی قربانی کی روح کو تمام قوم میں ساری و جاری کر دیں۔

لیکن ان بصیرتوں کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات میں ایک اور عظیم الشان بصیرت موجود ہے، جس کا سلسلہ مذہب کی ابتدائی تاریخ سے شروع ہوتا ہے اور اُس کی آخری کڑی اسلام کی تکمیل سے جا کر مل جاتی ہے۔

دنیا کی مذہبی تاریخ کی ابتداء عجیب بے کسی کی حالت میں ہوئی۔ ہم نے دنیا کے سخت سے سخت معرکوں میں باپ کو بیٹے کا شریک، بھائی کو بھائی کا حامی، بی بی کو شوہر کا مددگار پایا ہے لیکن صرف مذہب ہی کا روحانی عالم ایک ایسا عالم ہے جہاں باپ کو بیٹے نے، بھائی کو بھائی نے، شوہر کو بی بی نے چھوڑ دیا ہے، بلکہ اِن کی مصیبتوں میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔

اسلام نے اس میں بھی ایک روحانی انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کو مجسموں کی شکل میں اسلاف پرستی کی اجازت نہیں دی کیونکہ وہ بت پرستی تک منجر ہوتی ہے۔ اور اسلام زندہ انسانوں کے شرف کو پتھروں کے آگے نہیں جھکانا چاہتا۔ مگر اس نے مشاہیر کرام اور اسلاف صالحین کے نمونوں کے فوائد عظیمہ کو بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ اور ان کے اثر کو اس طرح حی و قیوم کر دیا کہ ہر مومن کے آگے ان کی عملی زندگی کے نمونے پیش کر دیئے اور کہا کہ دن میں پانچ بار جب خدا کے حضور آؤ تو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت مانگو۔

ساتھ ہی تشریح کر دی کہ صراطِ مستقیم انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی راہِ علم و عمل ہے اور اس لئے ان کے نمونے ہر وقت تمہارے سامنے رہنے چاہئیں۔

پس ماتم کی رسم پر وحشت نے جن تاریک پردوں کو ڈال کر اصل حقیقت کو چھپا دیا تھا۔ اور تمدن و تہذیب نے پردوں پر نظر فریب رنگ چڑھا کر جن بصیرتوں کو گم کر دیا تھا، اسلام نے ان سب کو چاک چاک کر دیا۔ اور مغزِ حقیقت جن چھلکوں میں چھپا ہوا تھا، ان سے نکل کر علانیہ آشکارا ہو گیا۔

قرآنِ حکیم میں انبیائے سابقین کے جو قصص مذکور ہیں، ان کے اندر درحقیقت الٰہی بصائر و حکم کی روح مضمر ہے، جو مجسموں میں قالب میں حلول کر کے بالکل بے اثر اور محض ظاہر فریب ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید قدماء و اعاظم رجال کی یادگاروں کے قائم کرنے کے اصل مقصد کو "اسوہ حسنہ" کے جامع لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو جا بجا اس پر توجہ دلاتا ہے۔ چنانچہ تم نے بارہا پڑھا ہو گا کہ اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نمونہ حیات کو مسلمانوں کا قبلۂ وجوہ و کعبۂ

الٰہی کی طوفان خیز موجوں میں بہہ گیا۔

ونادیٰ نوحٌ ابنہ وکان	اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا۔
فی معزل یابنی ارکب معنا	وہ کنارا پر کھڑا تھا کہ اے میرے بیٹے!
ولا تکن مع الکافرین	ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔
قال ساوی الی جبل	کافروں کے ساتھ نہ دے۔ اس
یعصمنی من الماء قال لا	نے کہا۔ میں کسی پہاڑ پر پناہ لے
عاصم الیوم من امر	لوں گا اور وہ مجھے پانی کی زد سے
اللہ الا من رحم وحال	بچا لے گا۔ نوحؑ نے کہا، تو کس
بینہما الموج فکان	خیالِ خام میں پڑا ہے؟ آج خدا
من المغرقین ۝	کے عذاب سے کوئی بھی نہ بچا سکے
(۱۱: ۴۳)	چنانچہ نوحؑ کی پکار کچھ سودمند نہ

ہوئی اور اُس کے اور اُس کے بیٹے کے درمیان موج حائل ہو گئی اور تمام لوگوں کے ساتھ وہ بھی ڈوب گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے تمام خاندان نے اگرچہ ان کا ساتھ دیا۔ لیکن خود ان کی بی بی ان سے علیحدہ ہو کر تمام قوم کے ساتھ عذابِ الٰہی میں شامل ہو گئی۔

قالوا انا ارسلنا الی قوم	فرشتگانِ عذاب نے کہا ہم ایک
مجرمین ۝ الا آل لوط انا	مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں، جو
لمنجوھم اجمعین ۝ الا	ہلاک ہونے والی ہے۔ مگر ہاں ایک
امراتہ قدرنا انہا لمن	خاندان وہاں لوطؑ کا ہے۔ اسکے

یہی سبب ہے کہ خاندانِ نبوت ہمیشہ اعزہ و اقارب کی اعانت سے محروم رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک شب و روز اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی اور قوم نے فرطِ بغض و عناد سے ان کی دعوتِ حق کو رد کر دیا۔ ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور کانوں میں انگلیاں تک دے لیں۔

قال رب انی دعوت قومی	نوح نے عرض کیا۔ خداوندا! میں
لیلا و نہارا فلم یزدھم	نے شب و روز دعوتِ حق کی،
دعائی الا فرارا وانی	لیکن اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ لوگ
کلما دعوتھم لتغفر لھم	مجھ سے اور زیادہ بھاگنے لگے ہیں
جعلوا اصابعھم فی	نے جب ان کو تیری مغفرت کیلئے
آذانھم واستغشوا	پکارا۔ انہوں نے کانوں میں انگلیاں
ثیابھم واصروا و	ڈال لیں۔ اپنے کپڑوں میں لپیٹ
استکبروا استکبارا ہ	گئے کہ ان تک میری آواز نہ پہنچ سکے

آہ! یہ حق ناشناس قوم ہمیشہ ہٹ دھرمی اور باطل پرستانہ گھمنڈ کا اظہار کرتی رہی۔

لیکن اس پیغمبرانہ آواز کی صدائے بازگشت صرف اس قوم ہی کے در و دیوار سے ٹکرا کر ناکامیاب واپس نہیں آئی۔ بلکہ خود ان کے گھر کے در و دیوار نے بھی اس کو ٹھوکر لگائی اور خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ یعنی ان کے بیٹے نے بھی اس نور کو قبول نہ کیا۔ آخری وقت میں حضرت نوح علیہ السلام نے پھر اپنے بیٹے کو خدا کی پناہ میں بلایا۔ لیکن اس وقت بھی اس کا گوشِ نصیحت نیوش وا نہ ہوا اس لئے وہ بھی تمام قوم کے ساتھ عذاب

تلّه للجبين وناديناه ان	ماجرا ہے؟ تم بھی اس پر غور کرو کہ
يا ابراهيم قد صدقت	اب کیا کرنا چاہیئے؟ بیٹے نے بلا تامل
الرؤيا انا كذالك نجزي	کہا، اے میرے باپ! اس
المحسنين ٥ ان هذا لهو	خواب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ
البلاؤ المبين ٥	اللہ کی جانب سے ایک اشارہ ہے
(۳۷: ۱۰۲ تا ۱۰۶)	پس آپ حکم کو پورا کیجئے۔ مجھے انشاء اللہ

صابر کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں میں پائیے گا۔ جب باپ بیٹے دونو خدا کے آگے جھک گئے اور باپ نے ذبح کرنے کے لئے بیٹے کو زمین پر پچھاڑا تو اُس وقت ہم نے آواز دی۔ اے ابراہیم! بس کرو، تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم صاحبانِ احسان کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ دراصل یہ ایک بہت بڑی قربانی تھی جس کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی اُن کے خاندان کی اعانت در رفاقت شریک رہی۔ چنانچہ جب ان کو شعلۂ طور کی زبان نے بشارت نبوت دی، تو اُن کی بی بی اُن کے ساتھ تھیں، بلکہ انہیں کے لئے وہ آتش کدۂ طور سے آگ لینے گئے تھے۔

فلما قضى موسى الاجل و	جب موسیٰؑ مدین سے اپنی بی بی
سار باهله آنس من	کو لے کر چلے تو ان کو کوہِ طور کے
جانب الطور نارا قال لاهله	دامن میں آگ کی روشنی نظر آئی
امكثوا اني آنست نارا	انہوں نے اپنی بیوی سے کہا، یہیں
لعلي آتيكم منها بخبر	ٹھہرو۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے

الغابرین ۝ (۱۵: ۵۸، ۵۹) تمام افراد کو ہم بچا لیں گے۔ مگر
کی بیوی نہیں بچے گی۔ اِس لئے ہمارا اندازہ ہو چکا ہے کہ وُہ بھی پیچھے
رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے خاندانِ نبوّت میں ایک عظیم الشان
انقلاب پیدا ہُوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اُن سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ حضرت لوط
علیہ السلام کی بی بی نے اُن سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن اِس دورِ ابراہیمیؑ میں
بیٹے نے باپ کی، بی بی نے شوہر کی، بھائی نے بھائی کی دعوتِ حق پر لبیک کی صدا بلند کی
اور اس دعوت کی اشاعت میں جو جو مصیبتیں ان پر پیش آئیں، اُن میں برابر کے شریک رہے
سب سے پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اِس جہادِ روحانی کی طرف قدم بڑھایا
اور اپنے شوہر کے ساتھ اپنے لختِ جگر کو ایک "وادی غیر ذی زرع" میں ڈال دیا۔ جہاں کئی سو
میل تک آب و گیاہ کا پتہ نہ تھا۔ یہ اِسی سخت امتحان کی پہلی منزل تھی، جس کے لئے خداوند
تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو انتخاب کیا تھا۔ چنانچہ جب اِس آخری امتحان کا وقت
آیا تو انہوں نے باپ کے آگے سرِ اطاعت خم کر دیا۔

فلما بلغ معہ السعی قال
یا بنی انی اریٰ فی المنام انی
اذبحک فانظر ماذا تریٰ
قال یا ابت افعل ما تؤمر
ستجدنی ان شاء اللہ من
الصابرین ۝ فلما اسلما و

جب اسمٰعیل علیہ السلام حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے
کے قابل ہو گئے تو انہوں نے ایک دن
کہا: اے بیٹے! میں نے خواب دیکھا
ہے کہ گویا تمہیں راہِ حق میں ذبح کر
رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا

لیکن اسلام کے زمانہ تک خدا کی راہ میں جو قربانیاں ہوئی تھیں وہ محض شخصی شخصیت رکھتی تھیں۔ یعنی انبیاء نے شخصی طور پر اپنی اولاد کو یا اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا۔ جہاد کی یہ ابتدا تھی مگر اس کی تکمیل شریعت اسلام پر موقوف تھی۔ چنانچہ اسلام نے جس طرح عقائد و عبادات اور معاش و معاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کی، اسی طرح عقائد کی حقیقت کو بھی مکمل اور واضح کر دیا۔

اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔ شخصی طور پر جو قربانیاں کی گئیں، وہ راہ ہی میں روک لی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر کو خدا کی نذر کرنا چاہا۔ لیکن اس کا موقع ہی نہ آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی کی طرف بڑھے لیکن بچا لیے گئے۔ آج تک تمام خاندانِ نبوّت نے متفقہ طور پر اس میں شرکت بھی نہیں کی تھی اور اس کی کوئی نظیر تمام سلسلہ انبیاء میں نظر نہیں آتی تھی۔ کہ صرف بھائی، صرف بیٹا، صرف بیوی ہی نے مقصدِ نبوت میں ساتھ نہ دیا ہو۔ بلکہ بلا تمیز خاندانِ نبوت کے اکثر اعزاء و ارکان راہِ حق میں قربان ہوئے ہوں۔

یزید کی شخصی خلافت کی بیعت کے لیے جو ہاتھ بڑھے وہ اسلام کی جمہوریت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے اور مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ اس لیے جب اسوۂ ابراہیمی کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندانِ نبوّت کے زن و مرد، بال بچے، غرض ہر فرد نے اس میں حصّہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش اب تک خالی تھی اُن سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔

پس حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت

اوجدٍ وۃ من النار لعلکم تصطلون (۲۸: ۲۹)	اس کا پتہ لگاتا ہوں۔ شائد تمہارے تاپنے کیلئے آگ حاصل کرسکوں۔

لیکن وادی ایمن میں جاکر معلوم ہوا کہ یہ آگ کا شعلہ نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک برقِ خاطف تھی جو فرعون کے خرمنِ ظلم و استبداد پر گرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ جب خدا نے عصا اور یدِ بیضا کی صورت میں ان کو یہ صاعقۂ ہلاکت دیا اور انہوں نے اپنے بھائی ہارون کی اعانت کا سوال کیا تو خدا نے اسے پورا کیا۔

قال سنشد عضدك باخيك ونجعل لكما سلطانًا	خدا نے کہا، میں تیرے دست و بازو کو تیرے بھائی کی اعانت سے قوی کردوں گا۔ اور تم دونوں کو فرعون پر غالب کروں گا۔

چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے آغازِ کار سے انجامِ کار تک حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دیا اور دعوتِ موسوی کے ہمیشہ شریک و امین رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اسی سلسلہ کو اور ترقی ہوئی۔ پہلے خدا کے ایک صالح بندے نے اپنے بیٹے کو خدا کی مرضی پر قربان کرنا چاہا تھا۔ لیکن اب وہ وقت آیا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قربانی کے جامِ مقدس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے لئے سولی کا جو تختہ تیار کیا گیا تھا، اس کی طرف بلا کسی باک کے بڑھے۔

وما قتلوه وما صلبوه و لكن شبه لهم (۴: ۵۸)	اور ان لوگوں نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ پھانسی دی، بلکہ ان پر اس قربانی کی حقیقت مشتبہ ہوگئی۔

خونِ شہادت کی پکار

(ایک درسِ بصیرت)

برادرانِ عزیز!

آج جس حادثۂ کبریٰ اور شہادتِ عظمیٰ کے تذکار و درس کے لئے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ وقائع و حوادثِ اسلامیہ کا وُہ عظیم الشان واقعہ ہے جو تاریخ اسلام کی اوّلیں صدی سے لے کر اِس وقت تک اپنے عجیب وغریب تاثرہ ماتم و درد اور حیرت انگیز بقائے تاثیر و ذکر کے لحاظ سے نہ صرف تاریخِ اسلام بلکہ تمام حوادثِ محزنۂ عالم میں ایک عدیم النظیر امتیاز رکھتا ہے۔

اگر وُہ تمام آنسو جمع کئے جائیں جو ۶۱ھ سے لے کر اس وقت تک اس واقعہ جاں سوز پر بہائے گئے ہیں، اگر وُہ تمام درد آہ و فغانِ سوزاں یک جا کئے جاسکے جو ان تیرہ صدیوں کی لاتعدّ و لاتحصی اسلامی نسلوں کی صداہائے ماتم کے ساتھ بلند ہوتا رہا ہے، اگر درد و کرب کی وُہ تمام چیخیں، اضطراب والم کی تمام پکاریں، سوزش و تپش کی وُہ تمام بے قراریاں، اکٹھی کی جاسکیں جو اس حادثۂ کبرایٰ کی یاد نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے اندر ہمیشہ پیدا کی ہیں۔ تو عزیزانِ ماتم شعار! کون کہہ سکتا ہے کہ خون فشانیہائے حسرت کا ایک نیا اٹلانٹک وا وقیانوس سطحِ ارضی پر نہ بہ جائے گا؟ درد، آہ و فغاں کی ہزار ہزار بھٹیاں بھڑک نہ اٹھیں گی؟ اور درد والم کی چیخوں، حسرت کی صداؤں، تڑپ کی بے چینیوں کے ہنگامہ خونیں سے تمام عالم ایک شورزارِ نالہ وبکا نہ بن

جس کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا۔ اور وہ بتدریج ترقی کر کے حضرت عیسیٰؑ کی ذات تک پہنچ کر گم ہو گئی تھی۔

اس کو حضرت حسینؓ نے اپنی سرفروشی سے مکمل کر دیا۔

خاندانِ نبوت، دنیا کے آباد کرنے کے لئے ہمیشہ اجڑتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھر بار چھوڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آوارہ گردی کی اور نبوتِ محمدیؐ کے متبعین میں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کر دیا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے خاندانِ نبوت کا سلسلہ ملا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک وادیٔ غیر ذی زرع میں شدتِ تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی میدانِ کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا۔

تاہم تم یقین کرو کہ بایں ہمہ اس حادثۂ عظیمہ کی دعوتِ اشک و حسرت اب تک ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی دعوتِ درد کے اندر جو حقیقی طلب تھی وہ اب تک لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔

تیرہ صدیاں مع اپنے دوران محرم و عشرۂ ماتم کے اس پر گزر چکی ہیں لیکن اب تک خاکِ کربلا کے وہ ذرآت خونِ آشام، جن کو آج بھی اگر نچوڑا جائے تو خونِ شہادت کے مقدس قطرے اس سے ٹپک سکتے ہیں، بدستور آنسوؤں کے لئے پکار رہے ہیں، خون فشانیوں کے لئے داعی ہیں، آہ و فغاں کے لئے تشنہ ہیں، اضطراب و التہاب کے لئے بے قرار ہیں اور فضائے ریگ زار کربلا کا ایک ایک گوشہ اب تک دیدہ ہائے اشک فشاں، جگر ہائے سوختہ، دلہائے دو نیم اور زبان ہائے ماتم سرا کے لئے اسی طرح چشم براہ ہے جس طرح ۶۱ھ کی ایک آتش خیز دوپہر میں خون کی ندیوں کی روانی، تشنہ پتی ہوئی لاشوں کے ہنگامۂ اختصار اور ظلم و مظلومی، جرح و محرومی، قتل و مقتولی کے ہنگامۂ الیم کے اندر سے نالہ ساز طلب اور فغاں فرمائے دعوت تھا۔

شدیم خاک ولیکن بوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

لیکن اگر یہ دعوتِ درد محض اس پانی کے لئے ہے، جو ندیوں کی جگہ آنکھوں سے بہے، اگر یہ طلب محض ان صداؤں کے لئے ہے جن کا غوغا درختوں کے جھنڈ، چڑیوں کے گھونسلوں، دریاؤں کی سیران کی جگہ انسانوں کی زبانوں سے بلند ہو، اگر یہ انتظارِ الم محض اس ماتم کے لئے ہے جو پتھروں کے ٹکرانے کی جگہ انسانی دست و سینہ کی ٹکر سے ہنگامہ ساز ہو، تو اے برادرانِ غفلت شعار! اور اے حبیثمانِ خواب آلود!

جائے گا؟

تاہم میں جو پیام پہنچانے کے لئے آج آیا ہوں، وہ اس تذکرہ سے بالکل مختلف ہے۔ میں غم والم کی شدت وکثرت کے اعتراف کی نہیں ہوں۔ بلکہ اس عدیم النظیر شدت وکثرت کے بعد بھی آنسوؤں کی طلب ہوں، آہوں کی صدا ہوں، بے قراری کی پکار ہوں۔ اضطراب کی دعوت ہوں۔ اور آہ! آہ! اے صد ہزار آہ وحرماں کہ غم کے لئے بھوکا ہوں اور درد والم کے لئے یک قلم پیاس ہوں۔

بس میں آج اُن آنکھوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو بہت رو چکی ہیں، مجھے اُن آنکھوں کا سراغ بتلاؤ جو اب بھی رونے کے لئے نم آلود ہیں۔ میں ان دلوں کی سرگزشت نہیں سناتا جو تڑپتے تڑپتے تھک چکے ہوں۔ میں ان دلوں کی تلاش میں نکلا ہوں جو اب بھی تہ و بالا ہونے کے لئے مضطرب ہیں، مجھے اُن زبانوں سے کیا سروکار جن کو فغاں سنجی ہائے ماضی کا ادعا ہے۔ آہ! میں تو ان زبانوں کے لئے پکار رہا ہوں، جن کے اندر غم وماتم کی بھٹیاں سلگ رہی ہوں اور ان کا دھواں آج بھی کائناتِ نشاطِ نادانی کی اس تمام فضائے غفلت کو مکدر کر سکتا ہو، جس کو عیش وعشرت کے قہقہوں میں درد وعبرت کی ایک آہ بھی نصیب نہیں ؎

نہ داغِ تازہ می خارد، نہ زخمِ کہنہ می کارد
بدہ یارب دلے کیں صورتِ بے جانمی خواہم

ہاں! یہ سچ ہے کہ رونے والے اس پر بہت روئے، ماتم کرنے والوں نے ماتم میں کمی نہ کی۔ آہ ونالہ کی صداؤں نے ہمیشہ ہنگامۂ الم کی مجلس طرازیاں کیں اور یہ سب کچھ اب اتنا زیادہ ہو چکا ہے، جتنا آج تک شاید ہی دنیا کے کسی حادثۂ غم کو نصیب ہوا ہو۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا
يُبْصِرُونَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ؕ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْغَافِلُونَ ۝

پس اے عزیزانِ درد و الم کی پاک دعوتیں صرف اس روانی آب تسلسل صدا اور ہنگامۂ غوغا ہی کے لئے نہیں ہوتیں، جو آنسوؤں، فغانوں اور ماتموں کے نام سے ظہور سے آجائیں۔ اور اگر ان کا یہی مقصد ہوتا تو اُس کے لئے انسان کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ کتنے ہی سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور کتنے ہی جنگل شور و غوغا سے ہنگامہ زار ہیں۔

بلکہ یہ دعوت، یہ پکار، یہ طلب، یہ ہل من مجیب فی الحقیقت اُن آنسوؤں کے لئے ہے جو صرف آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ دِل سے بہیں۔ وہ ان آہوں کا دھواں مانگتی ہے جن کی لپٹیں صرف منہ ہی سے نہیں بلکہ اعماقِ قلب سے اٹھیں۔ وہ صرف ہاتھوں ہی کے ماتم کے لئے نہیں پکارتی بلکہ دل کے ماتم کی محض ایک صدائے حقیقت کے لئے تشنہ ہے۔ اگر تمہارے پاس اس کے لئے آنکھوں کا آنسو نہ ہو تو اُسے کوئی شکایت نہیں۔ لیکن آہ تمہاری غفلت! اگر تمہارے پہلوؤں میں کوئی زخم نہ ہو جس سے پانی کی جگہ خون بہے، اگر تمہاری زبانوں کو درد کی چیخ نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن آہ! یہ کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر حقیقت شناسی کا ایک ٹیس، عبرت کی ایک ٹیک، بصیرت کی ایک تڑپ، احساس صحیح و حق کا ایک اضطراب بھی نہیں ہے

بلا شبہ یہ سب کچھ ہو چکا اور بلا شبہ سوال کو جواب، دعوت کو لبیک اور طلب کو مطلوب مل چکا۔

اگر انسان کا بچہ بھوک سے رونا اور روٹی کے لئے آنکھوں کو سرخ کر لینا ہے، تو انسانوں کے بڑے بڑے گروہ کیوں نہیں آنسو بہا سکتے؟

اگر درختوں کے جھنڈ ہوا سے مل کر چند لمحوں کے لیئے دنیا کو شور وغوغا سے لبریز کر سکتے ہیں، تو آدم کی اولاد اپنے آہ وبکا سے کیوں آسمان کو سر پر نہیں اٹھا سکتی؟

اگر بے جان وبے روح پتھر دوسرے پتھر پر گر کر رعد وبرق کا ہنگامہ پیدا کر سکتا ہے، تو تم کہ روح وارادہ رکھتے ہو، اپنے دست ہائے ماتم کناں سے کیوں ایک ہنگامہ زار وحشت گرم نہیں کر سکتے؟

کیا تم کو دنیا کی ان آنکھوں کی خبر نہیں جو روتی ہیں حالانکہ ان سے ایک آنسو بھی نہیں بہا؟

کیا تم نے ان زبانوں کے متعلق کچھ نہیں سنا جو چیختی ہیں حالانکہ انہوں نے ایک چیخ بھی نہ پائی؟

اور کیا تم نے ان جسموں کا تماشا نہیں دیکھا، جو تہ وبالا ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ایک تڑپ بھی نصیب نہ ہوئی؟

پھر کیا اس غفلت آباد ہستی میں وہ دل بھی نہیں ہیں جو گو دل ہیں مگر دل نہیں ہیں، کیونکہ دل کی طرح نہیں سوچتے؟ کیا وہ کان بھی نہیں ہیں، جو گو سامع ہیں مگر کان نہیں، کیونکہ سنتے نہیں؟ اور کیا ایسی آنکھیں بھی نہیں ہیں جو گو بصیر ہیں، مگر آنکھیں نہیں ہیں، کیونکہ نہیں دیکھتیں؟

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ کہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

پس آؤ اس حادثۂ عظیمہ پر غور و فکر کی ایک نئی صفِ ماتم بچھائیں اور اُن حقیقتوں اور بصیرتوں کی جستجو میں نکلیں جن پر آنکھوں کی اشک افشانیوں سے زیادہ رُوح پہ ماتم طاری ہوتا ہے۔

سب سے پہلی چیز جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے، وُہ اس واقعہ کی یادگار اور اس کا دائمی تذکار ہے۔

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے اِن واقعات و حوادث کی ہمیشہ تعظیم کی ہے۔ جن کے اندر قوم و ملک کے لئے کوئی غیر معمولی تاثیر یا عبرت پائی جاتی تھی اور ہمیشہ ان انسانی بڑائیوں اور عظمتوں کی یاد کو یادگاروں، تہواروں، عمارتوں، تاریخوں قومی روائتوں اور قومی مجمعوں کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنا چاہا ہے۔ جن کے اندر خود اس قوم کی کوئی عظمت اور بڑائی پوشیدہ ہے۔

پہلی چیز جس کو تمام اقوامِ متمدنہ نے "مشاہیر پرستی" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یہی چیز ہے کہ ہر قوم اپنی قومیتوں کے بڑے بڑے بانیوں، مذہبی معلّموں، محب الوطنوں اور قومی شہیدوں کی یاد کو کبھی بھی مفقود ہونے نہیں دیتی۔

ہومر نے الیڈ لکھی۔ کالڈیا کے حجری[1] کتب خانے میں وُہ اینٹیں رکھی گئیں جن

---

[1] حجری کتب خانے سے مقصود تمدّن بابل و کالڈیا کا عہد مدنی ہے جبکہ کتابیں پتوں اور درختوں کی چھالوں کی جگہ پتھر پر کندہ کرکے لکھی گئیں اور جن کا بڑا ذخیرہ بابل

(باقی صفحہ نمبر ۹۰ پر)

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں۔

اللہ اللہ! سید الشہداء مظلوم کی مظلومی اور یا للعجب غفلت و نادانی کی بوقلمونی!! اِس سے بڑھ کر دنیا میں مظلومی کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمنوں اور دوستوں دونوں نے اس پر ظلم کیا، دشمنوں نے اس کی شہادتِ عظیمہ کی عظمت مٹانی چاہی، مگر دوستوں نے بھی اسکی شہادت کی اصلی حقیقت و بصیرت سے غفلت کی۔ دشمنوں نے اس پر ظلم کیا، کیونکہ اسکی مظلومی پر انہیں رونا نہ آیا، پر ان دوستوں نے بھی ظلم کیا۔ جو گو روئے، مگر اس کی اصلی تقدیس و شرف کے لئے سچائی اور عمل کا ایک آنسو بھی نہ بہا سکے۔ دشمن تو دشمن تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کی دعوتِ حق کو مٹانا چاہا مگر دوست، دوست ہو کر بھی اس کی دعوت کی پیروی نہ کر سکے۔

وَتَرٰاھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ٥

پس سچا ماتم وہی ہے جو صرف ہاتھ ہی کا نہیں، بلکہ دل کا ماتم ہو اور دعوتِ درد کا اصلی جواب وہی ہے جو عبرت و بصیرت کی زبان سے نکلے۔ تمہاری آنکھیں اِس حادثے پر بہت رو چکی ہیں۔ مگر اب تک تمہارے دل کا رونا باقی ہے اور اگر رونا ہے تو اپنے دل کو رلاؤ۔ ورنہ صرف آنکھوں کی اس روانی کو لے کر کیا کیجئے، جس میں دل کی ایک اشک افشانی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حالانکہ انسان کی ساری کائناتِ حیات صرف دل ہی کی زندگی سے ہے۔

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ

محض یاد رکھنا یا کسی نام کو فراموش نہ ہونے دینا ہی نہیں تھا۔ بلکہ کچھ اور ہی مقصد تھا۔ کیونکہ اگر یہی مقصد ہوتا تو اس کے لئے کسی خاص نام، کسی خاص واقعہ، کسی خاص حادثہ میں کوئی ممتاز خصوصیت نہ تھی۔ پچھلوں کو اگر محض یاد ہی رکھنا ہے تو اس کے لئے بڑا اور چھوٹا، ادنیٰ اور اعلیٰ، نیک و بد، سب یکساں ہیں۔ کون سی وجہ ہے کہ کار ینفیج کے مشہور رہنے بال کو یاد رکھا جائے اور ٹیبلس کو یاد نہ رکھا جائے جو اسی عہد میں گزرا تھا؟

اِحیاءِ کارہائے نمایاں

سو وہ اصلی رُوحِ حقیقت جو اجتماعِ انسانی کی اس سب سے زیادہ پرانی رسم کے اندر کام کر رہی ہے۔ در اصل ناموں وجودوں، شخصیتوں اور محض تذکرہ و یاد آوری سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ اس سے اصلی غرض یہ تھی کہ جو اعمالِ حسنہ، عزائمِ ہمہ نتائجِ عظیمہ اور بصائر و مواعظِ جلیلہ ان مشاہیر اور ناموروں کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ اور جن کی یاد اور تذکرہ کے اندر قوموں اور ملکوں کے لئے سب سے زیادہ موثر اور نافذ دعوتِ عمل و اتباع ہے، اِن کی یاد کو ہمیشہ حی و قائم رکھا جائے۔ اور مختلف ذریعوں سے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ جن کی وجہ سے کبھی بھی آیندہ نسلیں اِن اعمالِ حسنہ کے نمونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

پر ناموران ملت کے مناقب ومحامد کندہ تھے۔ عرب جاہلیت نے اپنے سلسلہ انساب کا ایک حرف ضائع ہونے نہ دیا۔ اور ذو المجاز اور عکاظ میں اسلاف کے مفاخر ومعالی کی داستان سرائی قائم کی۔ مصریوں نے ایسے ایسے مینار بنائے جو ہزاروں برسوں کے بعد بھی اپنی تعمیر اولین کی طرح محکم واستوار ہیں اور پھر اُن کے اندر اپنے ناموروں کی لاشوں کو حنوط (ممی) کر کے محفوظ کر دیا۔ ہندوستان نے اپنے مہابھارت کے معرکے کو قومی روایتوں میں داخل کر دیا۔ اور والمیک کی سحر طرازیوں نے نسلی مفاخرہ کی رُوح کو پژمردگی سے بچایا۔ اقوامِ قدیمہ کے یہ تمام اعمال صرف اسی حقیقت کے لئے تھے کہ اسلاف ومشاہیر کی یاد زندہ وقائم رکھی جائے۔

آج اوقیانوس کا بحری مسافر واشنگٹن کے بُت کو ساحلِ امریکہ سے دیکھ کر دور سے پکار اٹھتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے شہروں اور اُن کی محکوم نوآبادیوں کی شاہراہوں اور باغوں میں جابجا سنگی بُت نصب نظر آتے ہیں۔ شیکسپیئر کا مولد اب تک قائم ہے۔ ملٹن کی میز کو مرنے نہیں دیا جاتا۔ جانسن کے آثار اب بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ میدان میں ایک جگہ یہ سنگی کتبہ تم پڑھو گے۔ "دیاک سیرینی نے یہاں اپنا بچپن گزارا۔"

یہ سب کچھ بھی اسی مشاہیر پرستی کی زیادہ خوشنما ودلفریب شکل ہے جو پہلے محض قومی روایتوں اور اضافہ طرازیوں کے ذریعہ قائم رکھی جاتی ہے۔

لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس تذکار ویادگار کا اصلی مقصد کسی واقعہ کو

(صفحہ ۸۹ سے آگے) آثارِ غنیقہ میں موجود ہے۔

دو اہم کتابیں

مُسلمان خاوند

یعنی

زندگی خوشگوار بنانے کا اسلامی آئین

(۱) خاوند کے ذمہ بیوی کے کیا حقوق ہیں

۲۔ خاوند بیوی اور والدین کے حقوق میں کون کون اصولوں سے کام لے؟

۳۔ والدین اور بیوی کے حقوق میں کس کا حق مقدم ہے ۴۔ خاوند کو بیوی کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

۵۔ بیوی کے حقوق کی ادائیگی سے خاوند کو خُدا کے یہاں کس قدر ثواب ملتا ہے۔

۶۔ ہر ایک مرد اپنے بیوی کے ساتھ دنیا میں کیسے جنّت بنا سکتا ہے (۷) خاوند بیوی کے ساتھ رہ کر کیسے اپنے رشتہ داروں کو خوش رکھ سکتا ہے ۸۔ وُہ کیا راز ہے کہ خاوند بیوی میں حد درجہ محبّت ہی محبت ہو ۹۔ خاوند کس طرح اپنی بیوی کے دل میں اپنے والدین کا احترام کر سکتا ہے۔ قیمت ۱/۵

مسلمان بیوی

یعنی

مسلم بہنوں کی عزت کا واحد حل

۱۔ عورت شادی کے بعد کس طرح باعزت رہ سکتی ہے۔ ۲۔ عورت سسرال میں کیسے ہر دلعزیز بنتی ہے۔ ۳۔ عورت خاوند کے دل میں کیسے اپنا وقار قائم کر سکتی ہے۔ ۴۔ عورت اولاد کو کیسے مطیع بنا سکتی ہے۔ ۵۔ عورت شادی کے بعد اپنے والدین کی کیسے اطاعت کر سکتی ہے۔ ۶۔ عورت اپنی زندگی سے خدا کو کیسے خوش کر سکتی ہے۔ ۷۔ عورت پر ہمسایوں کے کیا حقوق ہیں؟ اس قسم کے متعدد سوالات کے جوابات آپ کو "مسلمان بیوی" میں ملیں گے۔ کاغذ سفید قیمت ۶/۰

Library